

سیرت
فاطمہ الزہراء
رضی اللہ عنہا



مؤلف
محمد بلاخان قادری

سیرت

حضرت فاطمة الزہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تالیف

محمد بلال قادری

ناشر

شیر برادرز
زینہ سنٹر، ۴، اڑو بازار لاہور
فون: 042-37246006

marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سیرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا	_____	نام کتاب
محمد بلال قادری	_____	تالیف
ورڈ میکرو بیڈن روڈ لاہور	_____	کپوزنگ
اشتقاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور	_____	طابع
شبیر برادر زار دو بازار لاہور	_____	ناشر
1100	_____	تعداد
2000ء	_____	اشاعت اول
150/= روپے	_____	قیمت

ملنے کا یہ

شبیر برادرز
 زبیدہ سنٹر ۳۰، انڈیا بازار لاہور
 فون: 042-37246006

فہرست

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
7	انتساب	1
9	عرض مولف	2
	سیرت سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء	3
11	رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اہمیت	
13	اسم گرامی و کنیت	4
13	القابات	5
15	حسب و نسب	6
16	والدین فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا	7
17	والد ماجد	8
18	والدہ ماجدہ	9
30	رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد	10
33	فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی	11
34	حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	12
34	حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	13
36	حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	14

39	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہنیں	15
40	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	16
45	حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	17
48	حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	18
51	ولادت سے قبل دنیا کا حال	19
52	ولادت باسعادت	20
54	شعب ابی طالب	21
62	ہجرت فاطمہ الی المدینہ	22
65	مثالی شادی	23
71	ترانہء مسرت	24
76	جمیز	25
77	رخصتی	26
81	ولیمہ	27
83	ازدواجی زندگی	28
91	شامل و خصائل	29
93	علم و فضل	30
95	رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری	31
98	شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور	32
	شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی محبت	
104	ازواج مطہرات سے محبت	33
107	رشتہ داروں سے محبت	34
109	انسانی ہمدردی	35

110	شرم و حیا	36
112	ایثار و سخاوت	37
117	زہد و تقویٰ	38
123	عبادت اور شب بیداری	39
125	تھکن دور کرنے کا نسخہ	40
129	کائنات کی افضل ترین خواتین	41
134	حضرت عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	42
137	واقعہ مہلبہ	43
146	رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہری وصال	44
157	میراث کا معاملہ	45
165	سفر آخرت	46
168	مزار پر انوار	47
170	آیت تطہیر	48
174	اہل عبا کے کچھ فضائل	49
183	اہل بیت کے آداب کے اجر و ثواب	50
183	واقعات	51
197	وعیدیں	52
200	سادات کرام کی عزت و تکریم ہر صورت لازم ہے	53
213	زوجِ بتول	54
222	سیدہ کی اولاد	55
223	امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	56
228	امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	57

235	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	58
241	ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	59
244	کنیز فاطمہ رضی اللہ عنہا	60
245	خطاب دختران اسلام	61
247	اسلام پر اسلام سے ناواقف عورت کے اعتراضات	62
258	عورت کی عزت و مرتبہ	63
274	اختتام	64
275	مآخذ	65

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو حصول برکت کے لئے
بکھور سیدۃ نساء العالمین

سیدہ نساء اہل الجنة

سیدتا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی خدمت بابرکت میں پیش کر کے

ان تمام خواتین کی طرف معنون کرتا ہوں جو اپنی زندگیوں کو

سیرتِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آئینہ دار بنانا چاہتی ہیں

طالب رضائے الہی

محمد بلال قادری

عرض مولف

اللہ تبارک و تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ جس نے مجھ گناہگار و خطاکار کو جگر گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نور چشم مصطفیٰ سیدتنا سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت پاک لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ کسی بھی ہستی کے حالات زندگی یعنی سیرت لکھتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کے متعلقہ وہ تمام حالات اور لوگوں کا بھی ذکر کیا جائے جن کا اس کی زندگی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح روشنی پڑ سکے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ جس کی سیرت لکھی جا رہی ہے۔ اس کے شب و روز غم خوشی، سفر و حضر، کردار و گفتار، پیدائش و وفات، بچپن و جوانی۔ غرض وہ تمام حالات زندگی تمام پہلوؤں کے ساتھ سامنے آجائیں۔ تاکہ سیرت بیان کرنے کا جو اصل مقصد ہے حاصل ہو جائے۔ چونکہ ہماری اس سیرت کا موضوع سیرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ جب ہم ان کی سیرت کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی زندگی کس قدر مکمل اور ایک مسلمان عورت کے لئے قابل تقلید اور قابل رشک ہے۔ لہذا ہم اس سیرت میں بھی ان تمام متعلقات فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ضرورت کا مطابق مختصر آیا تفصیلاً ذکر کریں گے۔ تاکہ اس میں سیدتنا

فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کردار اور ذکر آجائے۔ مثلاً ان کی پیدائش سے پہلے کے حالات ان کے والد ماجد سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی والدہ ماجدہ سیدہ تمام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی بہنیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ان کے بھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان کے بیٹے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ان کی بیٹیاں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ان کی اولاد کے فائل و برکات اور ان کے آداب جو احادیث و روایات میں موجود ہیں۔ اس کا بیان بھی مختصر کر دیا ہے۔

اگرچہ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک مکمل کوشش ہے لیکن پھر بھی ارباب علم و دانش کو اس میں کچھ فروگزاشت نظر آئیں تو وہ انہیں میری ناقص العقلی اور کوتاہی علم و نظر پر محمول کرتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے مستفیض فرمائیں۔ ان کے مشوروں کو دلی شکر ہے اور سعادت مندی کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اے رب مصطفیٰ بطفیل مصطفیٰ (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما اور اس کو میری نجات کا ذریعہ بنا۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم

طالب رضائے الہی (عزوجل)

محمد بلال قادری

سیرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اہمیت

اُردو زبان نے جن تصانیف کا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ ان سے رجالِ اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آگئے ہیں لیکن محذراتِ اسلام کے کارہائے نمایاں اور ان کے حالاتِ زندگی اب تک پردہٴ خفا میں ہیں۔ سیرتِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ اس صنف کے کارناموں اور حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آج مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط میں اور نسلِ مسلمان کے دورِ انحطاط میں آدھا سبب ”عورت“ ہے۔ وہ ہم پرستی، جاہلانہ رسم و رواج، غم و شادی کے موقع پر ہندووانہ رسم و رواج اور پر مشرفات اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان عورتوں کے دلوں میں تلمیحاتِ اسلامی کی روح مردہ ہو گئی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے مسلمان عورت کی زندگی کا کوئی مکمل عملی نمونہ نہیں۔ شاید آج کی عورت یہ سمجھتی ہو کہ اسلامی تاریخ میں کوئی مکمل با عمل عورت گزری نہیں۔ شاید کسی ایک عورت میں ایک فرمانبردار بیٹی ایک باحیا اور غیرت مند بہن ایک اطاعت گزار بیوی اور ایک نیک سیرت اور قابلِ مثال ماں کی تمام خوبیاں نہیں ہو سکتی۔ آج ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جو نہ صرف اہل دنیا

بلکہ اہل جنت کی عورتوں کی بھی سردار ہیں اور ان کا نام مبارک سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔

ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، شوہر، سسرال، ساس، اولاد، غربت، خانہ دار، غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل اور مثالی نمونے موجود ہیں۔ پھر علمی، عملی اور اخلاق سے مزین پاک زندگی مالا مال ہے۔ اس لئے سیرت سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لئے ایک آئینہ ہے۔ جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقت تصویر کیا ہے؟

اسم گرامی

اسم گرامی

فاطمہ

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

”فاطمہ“ فطم سے ہے جس کے معنی روکنے اور چھوٹنے کے ہیں۔ دودھ چھوڑنے والے بچے کو فطم کہتے ہیں۔

گویا فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوگوں کو دوزخ کی آگ سے روکنے والی ہیں۔

یا

اس بناء پر رکھا گیا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے۔

کنیت مبارک:

سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ”أم محمد“ تھی۔

القابات:

سیدتا سیدہ النساء العالمین سیدة نساء اہل الجنة جگر گوشہ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے القابات یہ ہیں۔

بتول:

اس بناء پر رکھا گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے

فضیلت دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسوی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں۔

زہراء:

زہراء کہنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہے کہ آپ جتنی خواتین کی طرح حیض و نفاس سے محفوظ تھیں۔ امام نبھائی آپ کے خصائص میں بیان کرتے ہیں۔

انها لا تحيض و كانت اذا وليت طهروت من نفاسها ساعة
حتى لا تفوتها صلاة ولذلك سميت الزهراء
آپ کو حیض نہیں آتا تھا۔ جب آپ کے بچے کی ولادت ہوتی تو اسی
وقت پاک ہو جاتیں۔ حتیٰ کہ کبھی آپ کی نماز قضا نہیں ہوئی اسی وجہ
سے آپ کو زہرا کہا جاتا ہے۔

راضیہ:

اس بنا پر کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی رہنے والی تھیں۔

سیدۃ النساء العالمین:

اس بنا پر کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سارے جہان کی عورتوں کی
سردار ہیں۔

سیدۃ النساء اہل الجنۃ

اس بنا پر کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار
ہیں۔

زاکیہ:

اس بنا پر کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت اعلیٰ اخلاق و عادات کی مالک ہیں۔

طاہرہ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پاک باز ہونے کی بنا پر کہا گیا ہے۔

مطہرہ:

پاک صاف خاتون ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی آپ کے القابات ہیں۔

حسب و نسب

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے والد گرامی کی طرف سے یہ سلسلہ نسب ہے۔

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن مالک بن نضر بن مدرکہ بن الیاس بن معد بن عدنان۔
والدہ ماجدہ کی طرف سے

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

والدين فاطمة الزهراء
رضي الله تعالى عنها

والدین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد
 سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس ذات گرامی کی
 صاحبزادی ہیں۔ جو سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔
 خاتم النبیین اور شفیع المذمبین ہیں۔
 جو محبوب رب العالمین
 رحمۃ العالمین ہیں
 جو صاحب قاب قوسین ہیں۔
 اور سید الثقلین ہیں۔
 جو خیر الخلائق اور سید الانام ہیں
 جو امت کے دافع البلاء والوباء ہیں
 جو نبی المحرمین امام القبتین ہیں
 جو شمس الضحیٰ بدر الدجی
 صدر العلاء نور الہدیٰ ہیں
 جو راحت العاشقین اور
 مراد المشتاقین ہیں۔
 الغرض! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنا کسی انسان
 کے بس میں نہیں۔
 المختصر یہ کہ

لا يمكن الشاء كما كان حقه
 بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور اپنے گونا گوں فضائل و مناقب کی بنا پر انہیں تاریخ اسلام میں نہایت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ سب سے پہلے جن سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا وہ سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہ فرمایا۔

نام: خدیجۃ اور لقب طاہرہ ہے۔

باپ کا نام خویلد اور ماں کا فاطمہ تھا۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کا نسب نامہ یہ

ہے۔

خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن

کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف سے قصی میں مل جاتا ہے۔
ماں کا شجر یہ نسب یہ ہے۔

فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن معیص بن عامر بن

لوی

لوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی مورث اعلیٰ ہیں۔ سید تمام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام ہند ہے۔

سید تمام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد خویلد بن اسد بہت بڑے تاجر تھے اور اپنی خوش معاملگی اور دیانت کی بدولت وہ تمام قریش اور عرب کے دوسرے قبائل میں بھی بڑی عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عام الفیل سے چندہ سال قبل پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی نہایت سلیم الفطرت تھیں۔ وہ پہلے ابو ہالہ بن نیاس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابو ہالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عاذ مخزومی سے نکاح کیا۔ اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اسلام بھی قبول کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

روضۃ الاجنب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد و عورت دونوں کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ بعض نے عتیق کو ابو ہالہ پر مقدم بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف

چالیس برس کی تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی۔

سید تمام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عاقلہ، فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں۔ زمانہء جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابوہالہ اور عقیق کے بعد بہت سے صناید و اشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنے آپ کو خود نکاح کے لئے پیش کیا۔

دراصل حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میرہ نے آپ کو سفر تجارت کے دوران جو واقعات پیش آئے بتائے۔ نیز آپ کے غلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایمانداری، خوش اخلاقی وغیرہ تمام واقعات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتائے۔ ان تمام باتوں کا آپ پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک کنیزہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں۔

اور یہ عورت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا

”اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟“

فرمایا

”میں دنیاوی ساز و سامان نہیں رکھتا۔“

اس عورت نے کہا

”اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور صاحب

مال بھی ہو اور حسب و نسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو اور وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قبول فرمائیں گے؟“

فرمایا

”ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے؟“

اس عورت نے عرض کی

”ایسی عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کوئی مضائقہ نہیں۔“

اس کے بعد وہ عورت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور بتایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نکاح کے لئے راضی ہیں۔ یہ سن کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں اور اظہار مسرت کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچاؤں حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ابوطالب کے ہمراہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے جہاں عقد و نکاح ہوا۔

مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد زندہ نہ تھے بلکہ ان

کے چچا عمر بن اسد تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکاح

حضرت ابو طالب نے ایک مبلغ خطبہ پڑھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابو طالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے انہوں نے بھی خطبہ پڑھا۔ (بحوالہ مدارج النبوة) روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ میں بعض روایات سے نقل کیا گیا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ اس روایت کے بموجب پانچ سو درہم ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں بیس شتر مایہ کی قیمت پانچ سو درہم یا چار سو مشقال طلائی ہوتی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور اس کے گھر سے پھیل رہا ہے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تم سے نکاح کریں گے۔

نکاح کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر گھر سے باہر رہنے لگے۔ کئی کئی روز مکہ کے پہاڑوں میں جا کر عبادت الہی میں مشغول رہتے۔ غرض اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں معتكف تھے کہ رب ذوالجلال کے حکم سے جبرائیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ وہیں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی

وحی نازل ہوئی۔

اس حیرت انگیز واقعہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا۔ ”السلام علیک یا رسول اللہ۔“

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آکر فرمایا:

زملونی زملونی

مجھے کبیل اڑھاؤ۔ مجھے کبیل اڑھاؤ۔

انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور پر کبیل ڈالا اور چہرہ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا حال بیان کیا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غم نہ کھائیے اور خوش رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی فرماتے، عیال کا بوجھ اٹھاتے، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے، محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر

فرماتے ہیں۔ یتیموں کو پناہ دیتے سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔ لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو امین اور صادق کہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حال مبارک بیان فرمایا تو سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشی سے مدہوش ہو گئیں۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے۔ یہ قریش کے طور و طریق اور جاہلیت کے رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے۔ ان کو انجیل کا عمل خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ عبرانی زبان کو بھی جانتے تھے۔

سید تمام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ

”اے میرے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے وہ کیا فرماتے ہیں؟“
ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کو برادر زادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادر زادہ کہا کرتے ہیں اور اہل سیر بھی کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے ہم عمر تھے۔

ورقہ بن نوفل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ

”کیا بات ہے؟“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تمام حال جو گزرا تھا وہ بیان فرمادیا۔
یہ سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا:

”یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) پر نازل

ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ جس کی حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بشارت دی۔“ ر

”میرے بعد ایک رسول مبعوث ہو گا جس کا نام نامی احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور قریب ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جو ان قوی اور توانا ہوتا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ سے نکالے گی۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟“

ورقہ بن نوفل نے کہا!

”ہاں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ہیں اس کی مانند کوئی ایک لیکر کبھی نہیں آیا کہ اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذا میں پہنچائی گئیں۔“

مطلب یہ کہ سنت الہی اس طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایسا نہیں آیا جس سے کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ چھپایا تو میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری نصرت مدد کروں گا۔“

اس کے بعد کچھ عرصے کے بعد ورقہ بن نوفل نے وفات پائی اور ظہور دعوتِ اسلام زمانہ نہ پایا لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں۔

تاہم ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین کامل ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منصب رسالت پر فائز ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بلا تامل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تمام کتب سیر متفق ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے والی خاتون حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً پچیس سال تک زندہ رہیں۔ اس مدت میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسامصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کے بعد سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کی وسعت پذیری سے بے حد مسرت حاصل ہوئی تھی اور وہ اپنے غیر مسلم اعزہ و اقارب کے طعن و تشنیع کی پروا کئے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ حق میں رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا دست باز و ثابت کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا تمام زرو مال اسلام پر نثار کر دیا اور اپنی ساری دولت قیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، بیسوسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے وقف کر دی۔ ادھر کفار قریش نو مسلموں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے اور تبلیغ حق کی راہ میں ہر طرح کے روڑے اٹکا

رہے تھے۔ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفار کی ”لا یعنی بیہودہ باتوں سے کبیدہ خاطر ہوتے تو خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتیں: ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ رنجیدہ نہ ہوں بھلا کوئی ایسا رسول (علیہ السلام) بھی آج تک آیا ہے۔ جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔“

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس کہنے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ملال طبع دور ہو جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم خیال اور نغمگسار تھیں بلکہ ہر موقع پر اور ہر مصیبت میں آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لئے تیار رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

”میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو تا گوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہتا وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا تھا۔“

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیسے نامساعد حالات میں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہی ہمدردی، دلسوزی اور جاں نثاری تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہ فرمایا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنها جہاں اولاد کی پرورش نہایت خوش اسلوبی سے کر رہی تھیں وہاں امور خانہ داری کو بھی نہایت سلیقہ سے نباہتی تھیں اور باوجود تمول و ثروت کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں۔

سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عقیدت اور محبت کی یہ کیفیت تھی کہ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا انہوں نے ہمیشہ اس کی پر زور تائید و تصدیق کی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے۔

یہ بعد بعثت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس ابتلاء میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ وہ پورے تین سال تک اس محصوری کے روح فرسا آلام و مصائب بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ جھیلی رہیں۔

۱۰ھ نبوی میں یہ ظالمانہ محاصرہ ختم ہوا۔ لیکن اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زیادہ دن زندہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں (یا اس سے کچھ پہلے) ان کی طبیعت ناساز ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علاج معالجہ اور تسکین و تشفی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۱۱ رمضان المبارک ۱۰ھ نبوی کو انہوں نے بیک اجل کو لبیک کہا اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جحون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۵ برس کی تھی۔

سید تہام الموئین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیما پہلی ماں کہف امن و امان
 حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
 عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
 اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
 منزل من قصب لا نصب لا صحب
 ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

(حدائقِ بخشش)

رسول پاک صاحب لولاک
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی
اولادِ اطہار

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ اطہار یعنی

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی اور بہنیں
جمہور مسلمین اس بات پر متفق ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ
ہیں۔

صاحبزادے

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
انہی کی نسبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم
ہوئی۔ قبل از نبوت متولد ہوئے اور ایک سال پانچ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔
حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ان کا لقب طاہر و طیب تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے
بعد پیدا ہوئے اور صغریٰ میں فوت ہوئے۔
حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بھی کم سنی میں دنیا سے رخصت

صاحبزادیاں

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اولاد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

اب ہم ہر ایک کے حالات مختصر بیان کریں گے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے بھائی

- ۱- سیدتنا حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
- ۲- سیدنا حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
- ۳- سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت قاسم بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں۔ جو قبل اعلان اظہار نبوت پیدا ہوئے اور انہیں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ”ابوالقاسم“ مشہور ہوئی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ

دو سال کی عمر تک زندہ رہے اور بعض نے سترہ (۱۷) ماہ کہا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں یہی درست ہے۔ ان کی وفات بھی قبل اعلان اظہار نبوت ہے۔

صاحب مواہب نے فرمایا کہ متدرک میں ایسی روایت ہے جو عہد اسلام میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہے۔

یہ پہلے فرزند ہیں جنہوں نے اولاد شریف میں سب سے پہلے وفات پائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں بعد ظہور اسلام عالم وجود میں تشریف لائے اور عہد طفولیت میں وفات پائی۔

جب عاص بن وائل سہمی جو حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا باپ تھا۔ اسے حضرت عبد اللہ کے فوت ہونے کی خبر ملی اس سے پہلے حضرت قاسم بن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فوت ہونے کی خبر سن چکا تھا۔ اس وقت اس نے کہا:

”محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند ان رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔“

ابتر کے معنی ”بے فرزند“ اور بے خبر ہونے کے ہیں۔
اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

ان شانك هو الابتر

بلاشبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ابتر (بے نسل) رہے گا۔“
کیونکہ دنیا و آخرت میں کوئی اس کا نام نہ لے گا اور اگر کوئی اس کا نام لے گا
بھی تو اس پر لعنت کرے گا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسے کو کوئی ابتر کہہ ہی نہیں سکتا،
کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حد تک
حاصل ہے جو حیطہ و صف و بیان سے باہر ہے اور سارا جہاں آپ کی روحانی اولاد و
فرزندوں سے بھر جائے گا اور وہ مشرق و مغرب ہر جگہ پھیلیں گے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی۔

انا اعطینک الکوثر

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خیر کثیر عطا کیا
کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ جس میں کثرت و مبالغہ کے معنی ہیں اور تمام
دنیا و آخرت کی بھلائیاں جن کی انتہا تک مخلوق کے علم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔
اور جو جس قدر بیان کرتا ہے وہ اس کے پہلو میں ایک مجمل حرف اور ایک
دفتراں سمندر کا ایک قطرہ ہے۔

کوثر کی تعریف میں علماء کے اقوال و تاویل بہت ہیں۔ جس کسی نے نور
باطن کا جتنا حصہ پایا اس نے بیان کر دیا۔

نبوت، معجزات، شفاعت، معرفت اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کی ذات بابرکات کے تمام برکات و کمالات اور قیامت تک تمام کرامات سب اس لفظ کوثر میں داخل ہیں اور وہ حوضِ کوثر جو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا اور جو اس سے پئے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا وہ بھی اسی خیر کا جزو ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری اولاد ہیں اور مدینہ طیبہ میں ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدتنا ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دایہ تھیں۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر دی کہ

”ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند پیدا ہوا ہے۔“
حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں خبر پہنچائی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرثدہ کے پہنچانے پر انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔

اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ”ابا ابراہیم“ کی کنیت سے مخاطب کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش و مسرور ہوئے اور دو بھیڑوں کا عقیقہ فرمایا اور ان کے سر کو مونڈا گیا اور نام رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بھی کم سنی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزع کے عالم میں ہیں تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگتی کے عالم میں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

”اے ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہم تیری جدائی کے سبب غمگین

ہیں میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے۔“

اور کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ناراضگی ظاہر ہوتی ہو، حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستر (۷۰) دن کے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ بھی روتے ہیں آپ نے

تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔

سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اے عوف کے فرزند (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جس حالت کا تم نے

مشاہدہ کیا ہے یہ میت پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی

حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو

آوازوں کی بنا پر ہے ایک وہ آواز جو گانے، لہو و لعب اور شیطانی

حز امیر (گائے باجے) سے ہوا اور دوسری وہ آواز جو صیبت کے وقت پڑا اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے، چہرہ پینے، کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے، لیکن آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم و شفقت کی وجہ سے ہے اور جو رحم و شفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں ہوگا۔“

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے روز سورج کو گرہن لگا ہوا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔ چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند اور سورج کے گرہن کا تعلق کی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔

اس پر سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
 ”چاند اور سورج اللہ عزوجل کی دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گرہن نہیں لگتا۔“
 ایک روایت میں یوں ہے کہ:

”یہ دو ایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں اور وہ صدقہ و خیرات کریں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں۔“

چونکہ یہ گرہن چاند کی دسویں تاریخ کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس (۲۸) یا انیس (۲۹) تاریخ کو گرہن لگتا ہے۔ اس بناء پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا ہے۔

اس حدیث میں نجومیوں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گرہن چاند کی اٹھائیس (۲۸) یا انیس (۲۹) تاریخ سے پہلے ممکن نہیں۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہنیں

- ۱- سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
- ۲- سیدتنا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
- ۳- سیدتنا حضرت أم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلانِ اظہارِ نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تیس (۳۰) سال تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی۔ ان کا نکاح ان کے خالہ کے بیٹے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جن کا نام ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن الربیع بن عبد العزی بن عبد الشمس بن عبد مناف ہے اور ابو العاص کی والدہ ہند بنت خویلد، سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد کی بہن ہیں۔ حضرت ابو العاص کنیت ہے مگر ان کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لفظ ہے یا مقمیا قاسم یا اسر۔

اکثر کے نزدیک قول اول درست ہے یعنی لفظ نام ہے۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت کی۔ اور ان کو شرک میں مبتلا چھوڑ دیا اور ابو العاص مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے پہلے ہی نکاح میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے سپرد فرمادیا۔
بعض کہتے ہیں کہ نکاح جدید کے ساتھ سپرد کیا۔ اس کا مجمل حصہ اور اس کی
تفصیل یہ ہے کہ

۲ ہجری میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے قیدیوں میں داخل
تھے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیہ بھیجا تو سیدہ زینب رضی
اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فدیہ میں وہ بار بھیجا جو ان
کے گلے میں لٹکا رہتا تھا۔ جسے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عقد کے
وقت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں دیا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بار کو ملاحظہ فرمایا تو یہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی
صحبت کا زمانہ یاد آگیا اور سخت رقت طاری ہو گئی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان
سے فرمایا کہ:

”اگر تم قیدی کو رہا کرو تو تم فدیہ کا ہار زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو

لوٹا دو۔ تم چاہو تو ایسا کر لو۔“

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

”ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم ایسا ہی کریں گے

جس میں آپ کی مرضی مبارک ہوگی۔“

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص سے عہد لیا کہ
سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی
طرف بھیج دیں گے۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مان لیا۔ اس
کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور ایک انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے
آئیں اور فرمایا کہ مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناصح کے بطن میں ٹھہرنا۔ یہ ایک

موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر مسجد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمہارے حوالے کر دیں تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آجانا۔

اس واقعہ کے اڑھائی سال بعد ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب علیہم الرضوان اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے قافلہ پر قابو پایا تو چاہا کہ ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا کسی مسلمان کو کسی کو عہد امان میں لینے کا حق نہیں؟“ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”ہاں ہے۔“

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ گواہ رہے کہ میں ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امان دے دی ہے۔“ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان اس صورتحال سے باخبر ہوئے تو ان کے مال سے دست تعرض کھینچ لیا اور ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ مشرکوں کا یہ تمام مال تمہارے لئے غنیمت ہو جائے۔ ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال سے پلید کروں اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو ان کے مالکوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا ”اے مکہ والو! آیا میں نے تمہیں تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ”ہاں“ پھر ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ

عنه نے فرمایا:

”تم گواہ رہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔“ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح سابق یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے سپرد فرمایا۔ اس جگہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زن و شوہر میں سے کسی کے اسلام لانے پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت زیادہ شفقت و عنایت فرماتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور ۸ ہجری میں خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اس کا سبب وہی تکلیف تھی جو ہجرت کے موقع پر انہیں اونٹ سے گرنے کی وجہ سے پہنچی تھی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق غسل دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فرزند تھا جس کا نام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ یہ علی بن ابوالعاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حد بلوغ کے قریب دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دوران فسخ مکہ اپنی سواری پر ان کو اپنا ردیف بنایا تھا اور امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت پیار کرتے تھے۔ جیسا کہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ

رہے تھے اور امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے اٹھا کر دوش مبارک پر بٹھالیتے۔

شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اٹھانا اور زین پر اتارنا فعل کثیر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کیسے جائز رکھا۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ:

امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود آکر بیٹھتیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فعل، اختیار نہ تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا تھا۔

حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سیدتنا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپ اعلانِ اظہارِ نبوت سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ابن عم عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ اظہارِ نبوت اور بعض روایات میں آتا ہے کہ

سورۃ تبیت یدا ابی لہب کے نزول کے بعد عتبہ نے اپنے باپ ابولہب کے مطابق حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدی۔ ان کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

یہی عتبہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینے پر ابھارا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا

”خدا کی قسم میں ہرگز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

صاحبزادی کو جدا نہیں کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے
عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔“

عتبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے طلاق دینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں
فرمائیں ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور ایک حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔
سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا:
”حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعد عثمان
بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل
کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی۔“

۲ ہجری میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ بدر کے
لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سخت بیماری لاحق ہو
گئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم
دیا کہ وہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی خبر گیری کے لئے مدینہ ہی میں ٹھہریں۔ اس
کے بعد عوض اللہ تعالیٰ انہیں جہاد میں شریک ہونے کا ثواب بھی دے گا اور مال
غنیمت میں سے بھی انہیں حصہ ملے گا۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ ہی میں ٹھہر گئے۔
رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی بدر سے واپس نہیں لوٹے
تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تکلیف بڑھ گئی اور انہوں نے ایک سال
کی عمر میں پیک اجل کو لبیک کہا۔

عین اس وقت جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی لختِ جگر کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔

سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی بہن کی قبر پر تشریف لائیں اور قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا صرف ایک فرزند تھا جس کا نام عبد اللہ تھا۔ اسی کی بنا پر لوگ حضرت عثمان کو ابو عبد اللہ کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف چار برس کے تھے۔ دو برس بعد ان کو ایک حادثہ پیش آیا۔ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی۔ جس سے ساراہ چہرہ متورم ہو گیا۔ اسی تکلیف سے انہوں نے جمادی الاولیٰ ۴ ہجری میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں باہم بے حد محبت تھی۔ ان کے تعلقات اتنے خوشگوار اور مثالی تھے کہ لوگوں میں ان کی نسبت یہ مقولہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

”احسن الزوجین راہما الانسان رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ

عنها) و زوجها عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔“

یعنی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر

میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔

سیدتنا حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سیدتنا حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلانِ اظہارِ نبوت سے چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اُمّ
کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک سال چھوٹی اور
حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک سال بڑی تھیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کا اپنا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آمنہ یا
امیہ تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت اُمّ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شہرت پائی۔
آپ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ابو لہب کے حنیئہ بن لہب کی زوجیت میں
تھیں۔ سورہ لہب نازل ہونے کے بعد ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور تیمیہ
کو بلایا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں کو
چھوڑنے کا حکم دیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو عتبہ کے نکاح میں تھیں مگر رخصتی ابھی
نہیں ہوئی تھی انہی عتبہ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا، لیکن حنیئہ کی زوجیت میں
حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ یہ گستاخ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ
سخت بدکلامی کا مظاہرہ کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اللهم سلط عليه كلباً من كلابك

”اے اللہ عزوجل! اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے۔“
اہل سیر کہتے ہیں۔ حضرت ابو طالب اس وقت مجلس میں موجود تھے۔
انہوں نے کہا ”میں نہیں جانتا کہ تجھے کون سی چیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کی دعا سے روکے گی۔“

یہ ملعون تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں جب اس
نے ایک ایسی منزل میں پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابو لہب نے قافلہ والوں
سے کہا:

”آج رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد (صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی
رات اثر کرے۔“

اس پر سب نے اپنے اپنے سامان کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر کر کے چنا اور ان
کے سامان کے اوپر عتیہ کے سونے کیلئے جگہ بنائی۔ اور اس کے چاروں طرف
گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے۔

اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کر دیا۔ ایک شیر آیا اور
اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی سے اس شیر نے تعرض نہ کیا۔ پھر
جست لگائی اور عتیہ پر پنچہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں آتا
ہے کہ عتیہ کی گردن کو دو بوجا۔

حضور سید عالم سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہجرت کے
تیسرے سال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تزوج فرمادیا۔ اور فرمایا۔
”یہ جبرائیل امین (علیہ السلام) کھڑے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ

حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے جساء عقد میں دے دوں۔“

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت کے نوویں سال وفات پائی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور فرمایا:

”تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو، اس پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہوں۔“ فرمایا ”ان کی قبر میں اترو۔“

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

”اگر میرے پاس تیسری صاحبزادی ہوتی تو میں اسے بھی تمہارے نکاح میں دے دیتا۔“

ایک روایت میں ہے اگر دس صاحبزادیاں ہوتیں تو میں ان کو یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاتا اور وفات پاتی رہتیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرصہ تک حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رہیں لیکن ان سے کوئی فرزند نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دو فرزند پیدا ہوئے مگر وہ زندہ نہ رہے۔ نیز سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کوئی فرزند زندہ نہ رہا۔

لہذا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی فرزند زندہ نہ رہا، دوسری بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی جو باقی زندہ رہی۔

سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت کے وقت دنیا کا حال

بحر و بر میں فساد برپا تھا۔ انسانیت انسان سے شر مار رہی تھی اور تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی اور کوئی دم میں اس میں گرا چاہتی تھی انسان حیاتِ دنیا پر فریفتہ تھی اور مال و زر کے پیچھے مری جا رہی تھی۔ انسان مال کی بہتات و کثرتِ اولاد پر اتراتا پھر رہا تھا۔ مرغوباتِ نفس، رزقِ برق لباس، چیدہ گھوڑے، آرام دہ مکانات، سایہ دار باغات۔ سونا چاندی، جاہ و حشمت، عہد و منصب کے حصول کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اخروی زندگی کے تصور سے اس نا ذہنِ خالی تھا اور سمجھتا تھا کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا کی زندگی میں ہے اور یہاں سے گزرنے کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ اُسے دوبارہ اُٹھ کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ حال مشرکین و منکرینِ خدا کا تھا۔ یہود و نصاریٰ کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ یہود خود کو خدا کی لاڈلی اور چہیتی قوم سمجھتے تھے اور جنت کو اپنا آبائی حق سمجھتے تھے اور اس پر اپنا استحقاق جتاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر آگ انہیں چھوئے گی تو بس چند دنوں کے لئے پھر ان کے لئے نجات ہی نجات ہے اور ابدی مسرت ان کے حق میں لکھ دی گئی ہے۔ نصاریٰ عقیدہِ تثلیث و کفارے پر اعتقاد رکھتے تھے اور اپنے گناہوں کا بوجھ موبہوم مسیح کے کاندھے پر رکھ کر دنیا میں زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔

ولادت باسعادت

حضور سید عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیاری اور چھیتی صاحبزادی سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت میں مندرجہ ذیل روایات مشہور ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت بعثت سے ایک سال پہلے ہوئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اعلانِ اظہارِ نبوت کے پہلے سال کے ماہِ جمادی الثانی میں ہوئی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت بقول صحیح اعلانِ اظہارِ نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ جس سال قریش مکہ خانہ کعبہ میں ایک دراڑ آنے کی وجہ سے تعمیر کر رہے تھے۔ اس وقت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ ۳۵ سال اور سیدتنا أم المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ (پچاس سال) تھی۔

جمہور ارباب سیر نے اسی روایت کو صحیح اور مستند قرار دیا ہے۔ صاحب مدارج النبوة حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ ابن سعد سے بھی یہی روایت صحیح ہے اور درایت کی رو سے بھی یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پیارے آقاؐ غمزدوں کے

دل کے چین سرورِ کونین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ظاہری وصال ۱۱ ہجری کو ہوا۔ اس وقت سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال بتائی گئی ہے۔ اس حساب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اعلانِ اظہارِ نبوت سے تقریباً پانچ سال قبل بنتی ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اسی روایت کو اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا
شعب ابی طالب کی محصوری میں

شعب ابی طالب

سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ تقریباً ۱۲ سال تھی اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ اظہارِ نبوت کا ساتواں سال جاری تھا کہ شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے دینِ اسلام کی عزت و قوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ حبشہ کی طرف جا رہے ہیں اور اسلام کی روشنی قبائلِ عرب میں پھیلتی جا رہی ہے تو ان کے حسد و عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قتل و ہلاکت (نعوذ باللہ) میں کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کی حمایت اور کفالت میں تھے۔ اس لئے ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دستِ ستم دراز کریں۔ وہ ابو طالب کے پاس آئے ان سے کہنے لگے کہ:

”اے ابو طالب آپ اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپر کر دیں یا ہم سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں یا پھر ان سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔“

ان لوگوں کے جانے کے بعد ابو طالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ:

”آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی جان کو بخشے کیونکہ ہم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔“

اس پر سرکارِ دو جہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے میرے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے؟ کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں، ایسا نہیں ہے، بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک کہ یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔ میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں، اگر آپ میری تقویت فرما سکیں اور میری موافقت کر سکیں تو یہ آپ کی سعادت اور نیک بخشی ہے ورنہ نصرتِ الہی اور تائیدِ آسانی میرے لئے کافی ہے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے۔ ابو طالب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ان باتوں سے گو نہ تقویت و ہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے۔

”آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنا کام کئے جائیں۔ رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کو باز نہ رکھ سکے گا۔“

اس ضمن میں ایک شعر ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ:

”رب کعبہ کی قسم! کبھی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی

میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی
الاعلان اپنے دین کو پھیلائیے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہئے
اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھئے۔“

چنانچہ ابوطالب نے قریش مکہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابو
طالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا۔ مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔
نسلی و خاندانی عصبيت کے لحاظ سے سب کے سب (اگرچہ کچھ ان میں سے کافر
تھے) جاہلیت کی عادت کی وجہ سے اپنی گھاٹی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کے ساتھ داخل ہو گئے مگر ابو لہب داخل نہ ہوا اگرچہ یہ بنی ہاشم میں سے
تھا۔ تمام قریش نے اپنے درمیان یہ عہد باندھا کہ

”ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی المطلب سے کسی قسم کا کوئی تعلق
نہیں رکھے گا۔ نہ ان سے ازدواجی تعلقات قائم کریں گے اور نہ ان
سے تجارتی معاملات کریں گے نہ ان سے میل جول رکھیں گے اور نہ
ہی ان سے کبھی صلح کریں گے نہ اپنے دلوں میں ان کی طرف سے
کسی قسم کی نرمی اور رحمدلی کو جگہ دیں گے نہ ان کے ساتھ انھیں
بیٹھیں گے اور نہ کسی قسم کی گفت و شنید کریں گے اور مکمل مقاطعہ
کریں گے اور وہ اس سر زمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں
گے۔“

ان لوگوں کے بازار والوں سے بھی عہد لیا کہ

”کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے گی۔“

کبھی ایسا ہوتا کہ حج کے زمانے میں گرد و نواح سے آنے والے لوگ اگر ان
کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش
قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ”عہد نامہ“ لکھا

اور کیم محرم ۷ نبوی چاند رات کو معرض تحریر میں لا کر ہر قبیلہ کے نمائندے نے دستخط کئے یا انگوٹھا لگایا اور پھر اسے در کعبہ آویزاں کر دیا کہ:

ان لوگوں کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے قتل پر (نعوذ باللہ) کہتے ہیں بغیض ابن عامر جس نے یہ معاہدہ تحریر کیا تھا اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے تھے۔

یریدون ان یطفنوا نور اللہ بافواہم واللہ حتم نورہ

ولو کرہ الکفرون

”کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں گے، مگر اللہ پاک اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، چاہے کافر برا مانیں۔“

تین سال اسی حالت میں گزر گئے۔ ان سالوں میں محصورین شعب ابی طالب پر کیا کیا مصائب و تکالیف گزریں۔ ان کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے، مگر ہم یہاں چند ایک روایات ضرور لکھیں گے تاکہ وہ لوگ جو تبلیغ دین کرتے ہوئے مصائب و تکالیف کا سامنا کرتے ہیں۔ وہ جان جائیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے چاہنے والوں نے راہِ تبلیغ دین میں کن کن تکالیف اور مصائب کا سامنا کیا۔

اس معاہدے کے بعد مشرکین مکہ نے شعب ابی طالب کا محاصرہ کر لیا اور اس میں اتنی سختی برتی کہ کھانے پینے کی کوئی چیز محصورین کو نہ پہنچنے دیتے تھے۔ باہر سے اگر کوئی سوداگر غلہ فروخت کرنے آتا تو اس سے ایک ایک دانہ خرید کر قابو میں کر لیتے تاکہ اسے محصورین نہ خرید سکیں۔

☆ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے بچے جب بھوک سے بے تاب ہو کر روتے تھے

تو مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے۔

☆ عورتوں کی چھاتیوں کے دودھ خشک ہو گئے تھے۔

☆ کئی کئی دن تک محصورین کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ جاتی تھی،

بے کس محصورین درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں اُبال اُبال کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔

☆ اگر کبھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا دوسرے غیر ہاشمی جاں

نثار چوری چھپے جان جو کھوں میں ڈال کر کوئی چیز شعب ابی طالب میں پہنچاتے تو اس کی مقدار اتنی قلیل ہوتی کہ چند دن بھی ساتھ نہ دیتی

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک

دفعہ رات کو انہیں سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔ انہوں نے اسے پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور کوٹ کر پانی میں گھولنا اور ستو کی طرح پیا۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ ہاشمی تھے نہ مطلبی لیکن

انہوں نے برضا و رغبت اس مصیبت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔

غرض بنو ہاشم اور بنو مطلب مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں

زہرہ گداز اور حوصلہ فرسا مصائب و آلام کا شکار رہے۔

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بنو ہاشم اور بنو مطلب نے بھی

مصیبت کا یہ زمانہ اپنے عظیم المرتبت والدین اور دوسرے اعزہ و اقرباء کے ساتھ

محصوری میں گزارا اور تمام سختیاں بڑے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت

کیں۔ ان تین سالوں کے دوران میں جب حج کا موسم آتا تو رحمت عالم نور مجسم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مردانہ وار شعب ابی طالب سے باہر نکلتے اور لوگوں

کو دعوتِ توحید دیتے۔“

بد بخت ابو لہب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے پھر تا اور لوگوں سے کہتا۔

”لوگو! میرا بھتیجا یوانہ (نعوذ باللہ من ذالک) ہو گیا ہے۔ اس کی باتوں پر مت دھیان دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔“

جب جنگی و عسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی و شفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اس ظالم و قاطع ”عہد نامہ“ کو پرزے پرزے کر دیں۔ قریش کے درمیان نزاع و خصومت واقع ہونے کے انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس ”عہد نامہ“ کو سامنے لایا جائے۔ ابو طالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر کیا ہے کہ

”وہ دیمک ظلم و ستم اور قطعیت کی عبارت کو چاٹ لے اور اللہ (عز و جل) اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے نام کو باقی رکھے۔“

اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی نکلے تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ختم ہو گیا۔

پھر عہد نامہ کھولا گیا تو وہ ویسا ہی برآمد ہوا جیسا منبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیئے۔ اس کے باوجود ابو جہل اور اس کے پیروکار چیتے چلاتے رہے کہ ”عہد نامہ“ نہ توڑا جائے۔ ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حرم کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور

اللهم انصرنا على من ظلمنا وقطع ارحامنا واستحل ما
يحرم علينا.

”اے اللہ عزوجل ہماری ہماری ظالموں پر مدد فرما، اور قطع رحمی کو
دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا۔“

پھر اپنی گھائی میں لوٹ گئے ادھر قریش بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس طرز
عمل پر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ ان لوگوں میں مطعم بن عدی،
عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالختری بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ شامل
تھے۔ انہوں نے ہتھیار لگائے اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس پہنچے اور انہیں
اپنے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی۔

یہ صورتحال نبوت کے دسویں (۱۰ نبوی سال) میں واقع ہوئی۔

ہجرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا

مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد سرکار خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے مکہ مکرمہ میں بھیجا تاکہ وہ اہل بیت کو ساتھ لے آئیں۔ ساتھ میں ۵۰۰ درہم اور دو اونٹ بھی دیئے تاکہ سیدہ فاطمہؑ سودہ بنت زمعہ، اُم کلثوم، اسامہ اور ان کی والدہ اور ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو لے کر آئیں۔ چنانچہ یہ ان سب کو لے کر آئے اور حضرت عبد اللہ بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اپنے والد محترم کے اہل و عیال ان کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔ (طبقات النساء ابن سعد، مدارج النبوة، سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

جمہور اہل سیر کا اسی روایت پر اتفاق ہے لیکن اہل ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور قبا کے مقام پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملے وہاں سے مدینہ منورہ گئے۔

سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت کے بارے میں مختلف روایات ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ

سرکار مدینہ راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد دوسرے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کیں اور پھر اپنی والدہ فاطمہ بنت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خاندان کی دوسری خواتین حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فاطمہ بنت زبیر بن

عبدالطلب اور فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ساتھ لے کر اونٹوں پر عازم مدینہ ہوئے۔ ہم نام خواتین کو ساتھ لینے کا مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دشمن کی زد سے بچ جائیں۔ قریش کے کچھ سواروں نے اس قافلے کا تعاقب کیا اور ضحمان کے مقام پر اس کو روک لیا۔ لیکن اسد اللہ علی کرم اللہ نے ان کو مار بھگایا اور سارا قافلہ خیر و عافیت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبا پہنچ گیا۔

سرکارِ دو جہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی کو خوش آمدید کہا۔ بیٹی کو گلے لگایا اور سب کو ساتھ لے کر مدینے میں داخل ہوئے۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ داخل ہوئیں۔ اہل سیر کے نزدیک پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی شادی

جہیز

رخصتی

ولیمہ

مثالی شادی

اسلامی زندگی کی عمارت تقویٰ و احسان کی بنیادوں پر قائم تھی۔ ریاکاری نام و نمود، شہرت و دکھاوا، اسراف و اتلاف، شان و شوکت کا یہاں نام و نشان نہیں تھا۔ ہر چیز اپنی فطرت پر قائم تھی۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسلامی معاشرت کا ایک تابندہ و درخشاں دور تھا۔ اس دور میں شادیاں اسلامی سادگی کا نمونہ تھی۔ نہ زرق و برق لباس تھے اور نہ گہنے اور زیورات تھے نہ ہاتھی اور گھوڑے تھے اور نہ بینڈ اور باجے تھے۔ نہ شہنائیاں اور آتشبازیاں تھیں اور نہ رقص و سرود کی محافل تھیں نہ جہیز اور تلک تھا اور نہ جوڑ اور گھوڑا تھا۔ بے جانمائش تھی نہ بے جا آلائش تھی۔ بے پردہ بیگمات تھیں نہ بے حیا ہے بے شرم مرد تھے گانے والوں کا طائفہ تھا نہ ناچنے والیوں کا تماشا تھا۔

سرکارِ مدینہ راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی شہزادی کوئین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اسلامی سادگی کا مکمل نمونہ تھی۔ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ۲ ہجری کے ماہ رمضان میں ہوا۔ بعض ذی الحجہ بعض ماہ صفر اور بعض ماہ رجب بتاتے ہیں۔

بوقت نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف سولہ (۱۶) سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال (۱۸) تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال (۲۱) پانچ ماہ تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنه نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے وحی کا انتظار کر رہا ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی یہی جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیام دیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ عمر رسیدہ ہیں۔ چند دن کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کر دی۔ یہ نسبت کس طرح ہوئی اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ

حضرت أم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترغیب دلائی کہ

”سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے آپ پیغام کیوں نہیں بھیجتے؟“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

”میرے پاس کیا چیز ہے؟ کہ میں عقد کروں۔“

اس نیک بخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت اور کچھ فطری حیا کہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور سر جھکا کر خاموش بیٹھ رہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی توجہ فرمائی اور پوچھا

”علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آج خلاف معمول بالکل ہی چپ چاپ ہو گیا

فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کی درخواست لے کر آئے ہو؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا
 ”بے شک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا۔
 ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو
 حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرفہ مدعا زبان پر لائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اھلا و سھلا و مرحبا کہا اور پھر
 خاموش ہو گئے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت باہر منتظر تھی۔ حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جواب سنایا۔
 انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارکباد دی کہ حضور صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام منظور کر لیا۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

ایک دن حضرت ابو بکر، حضرت عمر فاروق، حضرت سعد بن ابی وقاص یا
 سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں بیٹھے سیدہ عالمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی
 شادی کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”اشراف قریش میں بہت سے لوگوں نے پیغام دیا لیکن علی (رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ) نے اب تک اس بارے میں کچھ نہیں کیا اور نہ کسی نے
 ان کی طرف سے پیغام دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگدستی اس

خواہش کے اظہار میں مانع ہو رہی ہے لیکن ہمارا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ضرور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کریں گے۔“

بس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”چلو ہم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق گفتگو کریں۔ اگر تنگدستی مانع ہو تو ہم ان کی مدد کریں گے۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ اس وقت ایک انصاری کے باغ کو اجرت پر پانی دے رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ

”اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کوئی نیک خصلت ایسی نہیں ہے کہ اس میں آپ کو ہم سب لوگوں پر ترجیح نہ ہو۔ اس کے علاوہ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ قربت حاصل ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اشراف قریش نے پیغام دیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کا پیغام منظور نہیں فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ سے رشتہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، بس آپ کیوں نہیں پیغام دیتے؟“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”تنگدستی کی وجہ سے مجھے پیغام دیتے ہوئے حجاب آتا ہے۔“

لیکن یہ تینوں حضرات اصرار کرنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام دینا منظور کر لیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عقد کی درخواست کی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تمہارے پاس کچھ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ادا کر سکو۔“
عرض کیا:

”میرے پاس ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔“

ارشاد فرمایا

”تلوار تو جہاد میں کام آنے والی چیز ہے اور اونٹ سے تم اپنے لئے نخلستان سے پانی کھینچتے ہو اور سامان لاتے ہو، البتہ زرہ کی تمہیں ضرورت نہیں، اس کو فروخت کر دو۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ زرہ فروخت کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے پیش کی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو اسی درہم پر یہ زرہ خرید لی اور پھر ہدیہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رقم لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعائے خیر کی۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضامندی حاصل کر لی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ کی قیمت فروخت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامانِ شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔“

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ ابو بکر، عمر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسجد نبوی میں بلا لاؤ۔“ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کہ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باہم نکاح کر دیا جائے۔“

جب بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

”اے گروہ مہاجرین و انصاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کر دوں۔ میں تمہارے سامنے اسی حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔“

اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ نکاح پڑھا۔ ایک روایت میں آتا ہے:

نکاح کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چھوہارے تقسیم فرمائے۔

ترانہ مسرت سیدتنا اُم المؤمنین حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سرن بعون اللہ جاراتی

واذکون فی کل حالات

ترجمہ: ہماری سہیلیاں اللہ تعالیٰ کی راہ کی مدد سے روانہ ہوں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتی۔

واذکون ما انعم رب العلیٰ

من کشف مکروه و آفات

اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد رکھو کہ اس نے ہمیں تکالیف و مصائب سے

بچالیا۔

قد هذا نا بعد کفر و قد

انعشنا رب السماوات

اس نے ہمیں کفر سے نکال کر راہِ ہدایت دکھائی، آسمانوں کے مالک نے

ہمیں اونچا مرتبہ دیا۔

وسرن مع خیر نساء الوریٰ

تفدی بعمات و حالات

ہماری سہیلیاں بہترین خواتین عالم کے ساتھ روانہ ہوں، جن پر پھوہ بھیاں
اور خالائیں قربان ہو رہی ہیں۔

یا بنت من فضلہ ذوالعلی

بالومی منہ والہ سالات

اے اُس کی صاحبزادی جسے اللہ تعالیٰ نے وحی و رسالت سے سرفرام فرمایا۔

ترانہ مسرت فی ذکر خاتون جنت

سیدتنا ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ خیر نساء البشر

ومن لها وجه كوجه القمر

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہترین خاتون ہیں۔ جن کا چہرا چاند کی طرح

روشن ہے۔

فضلک اللہ علی ذی الوری

بفضل من حص باى الزبر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہاں پر وہ فضیلت بخشی ہے جس کا ذکر قرآنی

آیات میں بھی آیا ہے۔

زوجک اللہ فی فاضلاً

اعنی علیا خیر من فی الخضر

اللہ تعالیٰ آپ کی شادی اس فاضل نوجوان سے کی ہے جس کا نام علی (رضی

اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور جو ایک بہترین انسان ہے۔

وسرن جا راتی ها انفا

کریمۃ بنت عظیم الخطر

اب میری سہیلیاں اس محترمہ کے ساتھ چلیں، کیونکہ وہ بڑی شان والوں

کی نظر میں بھی سرمایہ نماز ہیں۔

ترانہ مسرت فی ذکر خاتون جنت

سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نغمہ سرا ہیں

خوشی و مسرت کے اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
ترانہ مسرت سناری تھیں۔

يا نسوة استنن بالمهاجر

واذکون ما نحسن فی المحاضر

اے خواتین اوڑھنیاں اوڑھ لو اور حاضرین کے شایان شان باتیں کرو

واذکون رب الناس ادفعنا

بدینہ مع کل عبد شاکر

اور پروردگار عالم کا ذکر کرو، کیونکہ اس نے ہر شکر گزار بندے کو اپنے دین

کی نعمت سے نوازا ہے۔

والحمد لله علیٰ افضاله

والشکر لله العزیز القادر

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے اس کے احسانات کی وجہ سے اور شکر

گزار ہی اسی قادر غالب ہستی کے لئے ہے۔

سرن بها لافله اعطى ذكرها

وحصها منه بطهر طاهر

اس محترمہ کے ساتھ چلو جس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند کر دیا اور جسے حقیقی پاکیزگی بخشی ہے۔

جہیز

سرکارِ مدینہ راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر شہزادی کو نین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو جہیز دیا۔ مختلف روایات کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱ - ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔
- ۲ - ایک نقشی تخت یا پتنگ۔
- ۳ - ایک مشکیزہ۔
- ۴ - ایک چکی۔
- ۵ - ایک جائے نماز (مصلیٰ)
- ۶ - مٹی کے برتن (گھڑا وغیرہ) پانی بھرنے کے لئے۔
- ۷ - پیالہ
- ۸ - دو یا تین چادریں۔
- ۹ - دو بازو بند نقرئی۔
- ۱۰ - ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

رخصتی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک چھوٹا سا مکان آستانہ نبوت سے تھوڑے سے فاصلے پر کرایہ پر لے رکھا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ سیدہ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رخصت کر دیا۔ پھر سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

”تھوڑا سا پانی لاؤ۔“

پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈال دیا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

”قریب آؤ۔“

وہ قریب آئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا۔

”اے خدا میں ان کو اور ان کو اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجم

۔۔۔

اس کے بعد فرمایا

”اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میری طرف پشت کرو۔“

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے مارے اور فرمایا۔

”پانی اور لاؤ۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا کریں۔

تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر لایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعابِ دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا:

”میرے سامنے آؤ۔“

میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے اور فرمایا:

اللهم انى اعيد بك و ذريته من الشيطان الرجيم

”اے اللہ عزوجل میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطانِ رجیم سے۔“

اس کے بعد فرمایا:

بسم الله و البركتہ

کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

بعض روایات میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روزِ نکاح، سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بعد نمازِ عشاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے، پھر پانی

کا پیالہ اٹھا کر اس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ڈال کر معوذتین اور دعا پڑھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

”اس پانی کو پی جاؤ۔“

اس کے بعد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور فرمایا
 ”اے اللہ عزوجل۔ یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں،
 اے رب عزوجل جس طرح تو نے مجھ کو پاک بنایا ہے اسی طرح ان
 دونوں کو پاک بنا۔“

اس کے بعد دونوں سے فرمایا:

”اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔“

اور فرمایا:

”اے اللہ عزوجل ان کے درمیان محبت و الفت شامل فرما، اور ان
 میں اور ان کی اولاد میں برکت دے اور ان سے پریشانی کو دور فرما، ان
 کے نصیب کو نیک گردان، ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت
 پاک اولاد پیدا فرما۔“

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب
 رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی
 اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تو سیدہ فاطمہ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے
 دریافت کیا۔

”میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔“

انہوں نے کہا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ نے ایسے شخص کے ساتھ

نکاح کر دیا ہے جس کے پاس مال ہے نہ کوئی اور چیز۔“
 اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
 ”کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ
 فرمایا جن میں سے ایک تمہارے والد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور دوسرا
 تمہارا شوہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)“

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا:
 ”کیا تم راضی نہیں کہ میں نے تمہارا نکاح اس سے کیا ہے جو از روئے
 اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے اور علم کے اعتبار سے
 سب سے دانا ترین ہے تم میری امت کی عورتوں میں سب سے
 بہترین ہو جس طرح کہ مریم (علیہا السلام) اپنی قوم میں تھیں۔“

طبرانی کی روایت ہے کہ فرمایا:
 ”میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور
 آخرت میں صالحین میں سے ہے۔“

ولیمہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالم کا نکاح ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

”شادی کے لئے ولیمہ بھی ہونا ضروری ہے۔“

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میرے پاس ایک بھیڑ ہے اس کا خیر میں پیش خدمت ہے۔

اس طرح انصار کے ایک قبیلہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی اور دعوتِ ولیمہ کا انتظام ہوا۔ ایک اور روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ جو درہم باقی رہ گئے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائے اور کہا کہ اس میں چھوہارے اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں بازار گیا۔ پانچ درہم میں گھی چار درہم میں چھوہارے اور ایک درہم پنیر کا خریدا۔ یہ سب چیزیں لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے ان چیزوں کو ملاحظہ فرما کر دسترخوان طلب کیا اور ان کو ملا کر جیس بنایا اور حکم دیا کہ باہر جاؤ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلاؤ۔ چنانچہ میں باہر نکلا اور جو لوگ ملے ان کو اندر بلا کر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ طلب فرمایا اور اس کو جیس سے بھر کر فرمایا:

یہ فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس کے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو دیا۔ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

”جاؤ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا لاؤ۔“ وہ اٹھیں اور جا کر سیدہ عالمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ہمراہ لائیں اس وقت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ قریب پینچیس تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ بیٹی کو سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

”فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارا شوہر بہت اچھا شوہر ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تمہیں بیٹی

مبارک ہو۔

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی
ازدواجی زندگی

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آغوش نبوت کے پروردہ تھے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گلشن نبوت کا مہکتا گلاب تھیں۔

سیرت المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عکس جمیل تھی۔

اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر تھیں۔ زوجین ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے اور ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ دونوں کی ازدواجی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ نظیر تھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار کا دل و جان سے احترام کرتی تھیں اور ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتی تھیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی لخت جگر کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ عورت کا سب سے بڑا فرض اپنے شوہر کی اطاعت فرماں برداری ہے اس لئے وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہر طرح اطاعت کریں۔

دوسری طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھا برتاؤ کرو۔

چنانچہ میاں بیوی کے مثالی تعلقات کی وجہ سے ان کا گھر جنت کا نمونہ بن گیا تھا۔ تاہم دو چار مواقع ایسے ضرور پیش آئے جن میں میاں بیوی میں معمولی

رنجش پیدا ہوگی۔ انسانی فطرت اور زمانے کے اقتضاء کے پیش نظر میاں بیوی کے تعلقات معاشرت میں ایسے اتفاقات کا پیش آ جانا کوئی انہونی بات نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رجس بھی محض اتفاقی تھی اور جو نبی حضور پر نور سید یوم النور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدخلت فرمائی ان کے دلوں میں ملال کا شائبہ تک نہ رہا۔

شوہر باغ میں محنت کرتے تھے۔ نخلستان میں پانی دیتے تھے اور میدان جہاد میں اسلام کا دفاع کرتے تھے۔ بیوی شوہر کے دکھ سکھ کا خیال رکھتی تھی۔ ان کے آرام کی فکر کرتی تھیں اور شوہر کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لئے سعادت سمجھتی تھیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاقِ عظیم کو تعریف قرآن مجید اس طرح بیان ہوئی ہے۔

یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیراً ☆

ویطعمون الطعام علیٰ حبیبہ مسکیناً یتیماً و اسیراً ☆

انما نطعمکم لوجه اللہ لا نرید منکم جزاء و لا شکوراً ☆

انا نخاف من ربنا یوماً عبوساً قمطیراً ☆ فوقہم اللہ شر

ذلک الیوم ولقہم نصرۃ و سروراً ☆ وجزہم بما صبرو

جنة وحریراً ☆ (الدھر)

ترجمہ: اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی

برائی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور

اسیر کو۔ ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں

تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک

ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے تو انہیں اللہ نے اس دن کے

شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور رشتی کپڑے

ایک مرتبہ زد جن کے درمیان کسی بات پر معمولی رجس ہو گئی۔ حضور سید

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان صلح کروادی۔ جب باہر تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور چہرہ مبارک فرط مسرت اور اطمینان سے چمک رہا تھا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ جب گھر کے اندر گئے تو چہرہ مبارک متغیر تھا اور باہر تشریف لائے ہیں تو بہت خوش اور مطمئن نظر آرہے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں نے ان دو شخصوں کے درمیان صلح صفائی کرادی جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔“

اسی طرح ایک بار اور زوجین میں کچھ رنجش ہو گئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ناراض ہو کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی آگئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شکایت پیش کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بیٹی ذرا خیال کرو ایسا کون سا شوہر ہے جو اپنی بیوی کے پاس اس طرح خاموش چلا آتا ہے۔“

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بیٹی میری بات غور سے سنو، کوئی میاں بیوی ایسے نہیں ہیں جن کے درمیان کبھی اختلاف رائے پیدا نہ ہو اور کون مرد ایسا ہے جو ہر کام

بیوی کے مزاج کے مطابق ہی کرتا ہے اور اپنی بیوی کو کسی بات پر ناخوشی کا اظہار نہیں کرتا۔“

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا: ”خدا کی قسم! آئندہ میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تمہارے مزاج کے خلاف ہو یا جس سے تمہاری دل شکنی ہو۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ

ایک مرتبہ ابو جہل کے بھائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو غوراء بنت ابی جہل سے نکاح کی ترغیب دلائی اور انہوں نے اس کی حامی بھری۔ چنانچہ غوراء بنت ابی جہل کے سر پرست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس نکاح کی اجازت لینے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا: ”بنی ہشام بن مغیرہ، علی (رضی اللہ عنہ) سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لیکن میں اجازت نہیں دوں گا، کبھی نہیں دوں گا۔ البتہ علی (رضی اللہ عنہ) میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اسے ازیت دی اس نے مجھے ازیت دی۔“

اس کے بعد اپنی دوسری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ بن ربیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلادیا اور جو وعدہ کیا وفا

کیا اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا لیکن
خدا کی قسم اللہ کے رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور
اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔“

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح ناراض دیکھ کر حضرت
علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے غوراء بنت ابی جہل سے نکاح کا ارادہ فوراً ترک کر دیا
اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں کسی دوسرے نکاح کا خیال
تک دل میں نہ لائے۔

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت ہے جس کے راوی حضرت سہل رضی اللہ
عنه بن سعد ہیں روایت کرتے ہیں کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا اور حضرت فاطمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

”تمہارے ابن عم کہاں ہیں؟“

بولیں

”مجھ میں اور ان میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا وہ غصہ میں چلے گئے ہیں اور

دوپہر کو یہاں نہیں لیئے۔“

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

”دیکھو وہ کہاں ہیں؟“

اس صحابی نے آکر خبر دی کہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ دیکھا حضرت علی

کرم اللہ وجہہ الکریم لیٹے ہوئے ہیں۔ پہلو سے چادر ہٹ گئی تھی اور مٹی جسم میں

لگ گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے

اٹھو! ابوتراب! اٹھو! ابوتراب۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے ساتھ گھولائے اور دونوں میاں بیوی میں صلح کرادی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ابوتراب، کہلایا جانا عمر بھر بہت محبوب رہا۔

متذکرہ بالا چند ایک واقعات کے سوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی ہمیشہ نہایت خوشگوار رہی اور ان کا گھربا کیزگی، اطمینان، سادگی، قناعت اور سعادت کا گہوارہ بنا رہا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زوجین کے درمیان گھریلو کاموں کی تقسیم فرمادی تھی۔ چنانچہ گھر کے اندر جتنے کام تھے، مثلاً چکی پینا، جھاڑو دینا، کھانا پکانا وغیرہ، وہ سب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذمہ تھے اور باہر کے سب کام مثلاً بازار سے سودا سلف لانا، اونٹ کو پانی پلانا وغیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذمہ تھے۔ اس طرح ان کی ازدواجی زندگی میں نہایت خوشگوار توازن پیدا ہو گیا تھا۔

ایک بار حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخار ہو گیا۔ رات انہوں نے سخت بے چینی میں کائی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بیان ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاگتا رہا، پچھلے پہر ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ فجر کی اذان سن کر

بیدار ہوا تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وضو کر رہی ہیں۔ میں نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی، واپس آیا تو دیکھا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) معمول کے مطابق چکی پیس رہی ہیں۔ میں نے کہا: فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنے حال پر رحم کرو۔ رات بھر تمہیں بخار رہا ہے، صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا۔ اب چکی پیس رہی ہو۔ خدا نہ کرے زیادہ بیمار ہو جاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سر جھکا کر جواب دیا:

”اگر میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مر بھی جاؤں تو کچھ پرواہ نہیں، میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اللہ عزوجل کی اطاعت کے لئے اور چکی پیسی آپ کی اطاعت اور بچوں کی خدمت کے لئے۔“

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جب کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسن معاشرت کیسا تھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

”فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں اگرچہ وہ دنیا سے چلی گئیں مگر اس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے، اس نے اپنی زندگی میں مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔“

شماکل و فضائل

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صورت اور گفتار و رفتار سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ ملتی جلتی تھی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ظاہری و باطنی اوصاف ان کی ذات میں موجود تھے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ شکل و صورت میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی والدہ ماجدہ سیدتنا حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت مشابہ تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ میں نے طور و طریق کی خوبی، اخلاق و کردار کی پاکیزگی، نشست و برخاست، طرز گفتگو اور لب و لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ حضرت فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی رفتار بھی بالکل رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ تھیں۔

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن ہم سب ازواج آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سامنے سے آئیں بالکل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چال تھی۔ اس میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے تپاک سے بلا کر اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ رونے لگیں۔ ان کو روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا۔ وہ ہنسنے لگیں۔

میں نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہا فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام ازواج کو چھوڑ کر تم سے اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے تو

میں نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے واقعہ (رونے اور ہنسنے کا سبب) پوچھا۔ انہوں نے کہا، میں ابا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا راز فاش نہیں کروں گی۔ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصالِ ظاہری فرمایا تو میں نے فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہا:

فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم پر جو حق ہے میں تم کو اس کا واسطے دے کر کہتی ہوں کہ اُس دن کی بات مجھ سے کہہ دو۔ انوں نے کہا: ہاں! اب ممکن ہے میرے رونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جلد وصالِ ظاہری کی خبر دی تھی اور ہنسنے کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو۔

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیشہ سچی اور صاف بات کہتی تھیں۔ ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی صدقِ مقالی اور صاف گوئی کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:

”میں نے فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے والد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ سچا اور صاف گو کسی کو نہ دیکھا۔“

علم و فضل

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چونکہ کچھ زیادہ عمر نہیں پائی اس لئے حدیث روایت کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ ان سے صرف اٹھارہ یا انیس احادیث مروی ہیں۔ ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت انس بن مالک، حضرت ام ہانی اور حضرت سلمیٰ، ام رافع رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں۔

امام دارقطنی نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث پر مشتمل ایک کتاب تیار کی تھی۔ جس کا نام ”مسند فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)“ رکھا تھا۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تفقہ فی الدین سے بھی بہرہ ور تھیں۔ مسند احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) میں ہے کہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد سنا تھا۔ جس سے وہ سمجھی تھیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن اقدس پکڑ کر عرض کی:

”اباجان! وضو کر لیجئے۔“

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جان پدر، وضو کی ضرورت نہیں، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔“

ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

”بیٹی ذرا بتاؤ تو عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے؟“

[نے جواب دیا:

”عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے

اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔“

رسول پاک ﷺ کی فرمانبرداری

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ایک مسلمان خاتون ہونے کی حیثیت سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد بھی تھیں اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی بھی تھیں۔ ان دونوں حیثیتوں میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا جزو ایمان سمجھتی تھیں وہ ہر کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتیں ہر عمل اسی طرح سرانجام دیتیں جس طرح حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرانجام دیتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ حکم یا ارشاد سن پاتیں تو اس کو حرز جان بنا لیتیں اور اسی کے مطابق عمل کرتیں۔

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو کہیں سے کچھ رقم مل گئی۔ قیاس میں ہے کہ مال غنیمت سے ملی ہوگی۔ انہوں نے اس رقم سے سونے کا ایک ہار خرید لیا اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

”فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا لوگوں سے یہ کہلاتا چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے۔“

دوسری روایت میں یوں ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا:

”فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم یہ ہار پہنے ہوئے ہو لوگ دیکھیں گے تو کیا یہ نہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی مغرور امیروں کے سے زیور پہنتی ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو اسی وقت ہار گلے سے اتار دیا پھر اس کو فروخت کر کے ایک غلام خرید اور اس کو آزاد کر دیا۔

محدثین نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”سونے کے ہار“ کو ”آگ کا ہار“ کیوں قرار دیا؟ حالانکہ عورتوں کے لئے سونے کے زیور پہننا جائز ہے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں تھا کہ نبوت کے گھرانے کے لوگ پر تکلف لباس پہنیں یا قیمتی زیور استعمال کریں اور نمود و نمائش سے کچھ واسطہ رکھیں۔

ایک مرتبہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراجعت کی خوشی میں یا خیر مقدم کے طور پر گھر کے دروازے پر نقشبیں پردہ لٹکا دیا اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمول کے مطابق سب سے پہلے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر کے دروازے پر پردہ اور بچوں کے ہاتھ میں نقرئی کنگن دیکھے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے بغیر واپس تشریف لے گئے۔ سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپسی کا سبب سمجھ گئیں۔ انہوں

نے فوراً پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے۔ وہ روتے ہوئے
 نانا جان راحت قلب و جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر
 ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
 اجمعین سے فرمایا:

”یہ میرے گھرانے والے (اہل بیت) ہیں، میں نہیں چاہتا کہ وہ ان
 زخارف (زرق برق آرائش) سے آلودہ ہوں۔ ان کے بدلے فاطمہ
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے عصیب کا ہار اور نقرئی کنگنوں کی جگہ
 ہاتھی دانت کے دو جوڑے کنگن خرید لاؤ۔“ (ابوداؤد نسائی)

الغرض! سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیشہ حضور صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی اور منشا کے مطابق عمل کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا جوئی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتی تھیں۔

شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باہم محبت

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے انتہا محبت تھی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جب کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مل کے جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آکر ملتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازاہ محبت کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتی۔ محبت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ

عنه کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رخصت ہوتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو خاندان بھر میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے ملاقت کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر رنج و راحت میں شریک ہوتے اور تقریباً ہر روز ان کے گھر جاتے، ان کی خبر گیری کرتے، کوئی تکلیف ہوتی تو اسے دور کرنے کی کوشش فرماتے اگر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں فقر و فاقہ ہوتا تو بیٹی کے گھر میں بھی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی چیز پکتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے کچھ نہ کچھ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بھجواتے۔ اگر کہیں سے کوئی کھانے پینے کی چیز آ جاتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حصہ ضرور نکالتے اور ان کو بھجوا دیتے۔ کہیں سے کپڑا آتا تو وہ بھی بقدر مناسب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیجتے۔ اگر کہیں دعوت پر تشریف لے جاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر میں بھوکے ہوتیں تو میزبان کی اجازت سے ان کے لئے کچھ کھانا بھیج دیتے۔

حضرت ابو ثعلبہ خنسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ جب کبھی سفر سے واپس ہوتے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے اس کے بعد اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاتے پھر ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے یہاں۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے گھر کے دروازہ پر آگئیں۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چہرہ مبارک چو منا شروع کر دیا۔ (بروایت دیگر آنکھ اور دہن مبارک کو چوما) اور رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا روتی کیوں ہو؟

عرض کیا ”آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ مشقت سے متغیر اور پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر رونا آ گیا۔“
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) گریہ وزاری نہ کر تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے کام کے لئے بھیجا ہے کہ روئے زمین پر کوئی اینٹ اور گارے کا مکان اور نہ کوئی اونی سوئی خیمہ بچے گا جس میں اللہ تعالیٰ یہ کام (دین اسلام) نہ پہنچا دے اور یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک دن اور رات کی پہنچ ہے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاقہ سے ہیں تو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”جان پد ر یہ پہلا کھانا ہے جس کو تین کے بعد تیرا باپ کھائے گا۔“
طبرانی میں یہ اضافہ ہے

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو کی روٹی کا ٹکڑا دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: ”بیٹی یہ کیا ہے؟“
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا

”ابا جان! یہ نکیہ ہے جس کو میں نے پکایا تھا، میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں اکیلی یہ نکیہ کھا لوں، اس میں سے یہ نکلڑا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی ہوں۔“

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ خندق میں گھر کے مرد میدان میں تھے۔ ایک دن سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روٹی پکائی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی دن سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے، بیٹی کی محبت پر خوش ہو کر فرمایا:

”جان پدرا! آج تین دن کے بعد یہ لقمہ مجھے ملا ہے۔“

غزوہ احد (۳ ہجری) میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات (غلط) مشہور ہو گئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ (جھوٹی) خبر مدینے پہنچی تو خواتین فرط غم سے نڈھال ہو گئیں اور بے اختیار گھروں سے نکل پڑیں۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان میں شامل تھیں۔ وہ میدان جنگ میں پہنچیں تو دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخمی ہیں اور چہرہ مبارک اور سر اقدس سے خون جاری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخم دھونے لگیں۔ پانی ڈالنے سے خون زیادہ بہنے لگا۔ چنانچہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی ڈالنا بند کر دیا۔ چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا اور اسے زخم میں بھر دیا۔ اس طرح خون بند ہو گیا۔

اس سلسلہ میں کچھ روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں کہ:

ایک روایت یوں ہے کہ

سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت

میں میدان جنگ میں تشریف لے گئیں اور وہاں مجاہدین (زخمیوں) کو پانی پلاتی رہیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔

دوسری روایت یوں ہے کہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے مبارک کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کی۔

تیسری روایت اس طرح ہے کہ

غزوہ احد کے وقت سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اور وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں تھے اس کے باوجود وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کی خبر سنتے ہی میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم دھوئے اور مرہم پٹی کی۔

۸ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ فتح مکہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ گئیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں ان کی موجودگی کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے:

”ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور میں آپ کے دائیں جانب تھی۔ پس ایک لونڈی ایک برتن لے کر حاضر ہوئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی۔ لونڈی نے وہ برتن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا۔“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوڑا سا پی لیا اور پھر مجھے دے دیا۔ میں نے اس کو پی لیا اور پھر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں روزہ سے تھی اور میں نے پانی پی لیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے کوئی قصاروزہ رکھا تھا؟ میں نے کہا ”نہیں“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”اگر یہ روزہ نفل تھا تو کچھ حرج نہیں۔“

حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حکم دیا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر کے سوا ایسے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا دروازہ باقی رکھا گیا۔

ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہن) سے محبت

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ معظمہ میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ (۱۰ نبوت)۔ سیدتنا حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اپنی شادی سے پہلے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان دونوں ماؤں کے ساتھ بڑے پیار اور محبت سے رہیں۔ آگے چل کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور کئی عقد کئے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہو چکی تھی۔ تاہم ان کے تمام اپنی ماؤں کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات تھے۔ کبھی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزل تھی۔ اور کبھی ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے خاص تعلق خاطر تھا۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعدد فضائل و مناقب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے مروی ہیں۔

سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے اہتمام میں خاص حصہ لیا۔ وہ خود بیان

فرماتی ہیں۔

”عقد کے بعد فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے ایک مکان تجویز کیا گیا۔ ہم نے بطحا کے کنارے سے نرم مٹی منگوائی اور اپنے ہاتھوں سے اس میں بچھائی، قرش تیار کیا۔ لپائی کی، پھر کھجور کی چھال اپنے ہاتھوں سے مل کر دو ٹیکے کئے۔ چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے۔ کٹڑی کی ایک اگنی تیار کی تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا۔“

شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس مکان میں گئیں اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس سے کبھی کبھی باہم بات چیت ہو جاتی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ

ایک مرتبہ سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی کی درخواست کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں لیکن اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں۔

ایک مرتبہ ایک تابعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

پوچھا:

”اے ہماری ماں یہ تو بتائیے رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟“

فرمایا:

”فاطمہ“ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور دونوں میں بڑی محبت اور میل ملاپ تھا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان دونوں کے دل باہم صاف نہیں تھے۔ ان کے اس ادعاء کی تائید میں کوئی ایک بھی مستند اور صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے محبت

اسلام میں صلہ رحمی کی بہت تاکید کی گئی ہے اور عزیزوار قارب سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

- سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سچی مومنہ تھیں اس لئے وہ اپنے تمام اعزہ و اقرباء سے بہت محبت کوٹی تھیں اور ان سے حسن سلوک اور احسان و مروت سے پیش آتی تھیں۔ اپنی ساس حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حقیقی ماں کی طرح جانتی تھیں اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتی تھیں۔ خود حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے۔

”جس قدر میری خدمت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی ہے شاید

ہی کسی بہونے اپنی ساس کی اتنی خدمت کی ہو۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲ ہجری میں وفات پائی تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ بدر کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ وہ قبر کے پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور تسلی دیتے جاتے تھے۔

سیدنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حقیقی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو ان کو شدید صدمہ ہوا۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر وہ

”واعماہ واعماہ“

”ہائے میرے چچا چچا“

کہہ کر روتی ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچشم پر نم فرمایا:

”بے شک جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

”دیکھو بیٹی! زبان سے کچھ نہ کہنا اور سینہ کو بلی کرنا۔“

اس کے بعد اپنی لخت جگر سے فرمایا:

”فاطمہ! جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بچوں کے لئے کھانا تیار کرو

کیونکہ اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آج

سخت غمزدہ ہے۔“

غرض سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تمام اعزہ و اقرباء سے نہایت اچھے تعلقات تھے وہ ان سب کے ساتھ محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتی تھیں اور ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتی تھیں۔ وہ سب بھی سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور ان سے بڑی محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

انسانی ہمدردی

رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت نے سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ وہ بے حد مصروف خاتون تھیں۔ خانہ داری، بچوں کی نگہداشت، شوہر کی خدمت اور عبادت سے انہیں کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت بالکل نہ ملتی تھی، لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد

”احسن الناس خادم الناس“

(لوگوں میں سب سے بہتر وہ انسان ہے جو دوسروں کی خدمت بجالاتا ہے) کے پیش نظر ہر وقت مخلوق خدا کی خدمت پر کمر بستہ رہتی تھیں اور ہمسایوں کے دکھ درد میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

شرم و حیا

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ کی نہایت پابند تھیں اور حد درجہ حیا دار تھیں۔ ایک بار سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

”بیٹی عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔“
 حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔
 ”عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔“

ایک مرتبہ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی لونڈی طلب کریں۔ لیکن فرط حیا سے دل کی بات زبان پر نہ لا سکیں اور بغیر کچھ کہے واپس آ گئیں۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اندر چلے گئے۔ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں دیکھ کر کوٹھڑی میں چھپ گئیں۔ جب وہ چلے گئے تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

”بیٹی تم چھپ کیوں گئیں؟ ابن ام مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو نابینا ہیں“
 حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ”
 ”بابا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نابینا ہیں تو میں تو ایسی نہیں ہوں
 کہ خواجواہ غیر مرد کو دیکھا کروں۔“

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرم و حیا کی انتہا یہ تھی
 کہ عورتوں کا جنازہ پر بغیر پردہ کے نکلنا پسند نہ تھا۔ اسی بنا پر اپنی وفات سے پہلے
 وصیت کی کہ میرے جنازے پر کھجور کی شاخوں کے ذریعے کپڑے کا پردہ ڈال دیا
 جائے اور جنازہ رات کے وقت اٹھایا جائے تاکہ اس پر غیر مردوں کی نظر نہ
 پڑے۔

ایثار و سخاوت

ایک دفعہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک بہت بوڑھے آدمی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دین کے ضروری احکام و مسائل بتائے اور پھر ان سے پوچھا:

”کیا تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے۔“

انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) قسم ہے اللہ (عزوجل) کی بنو سلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سے سب سے زیادہ غریب اور محتاج میں ہی ہوں۔“

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کرے گا؟“

حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اٹھے اور کہا:

”یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو

میں اس کو دیتا ہوں۔“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھا تک دے؟“

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اٹھے اور اپنا عمامہ اتار کر نو مسلم اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کون ہے جو اس کی خوراک کا بند و بست کرے؟“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو ساتھ لیا اور ان کی خوراک کا انتظام کرنے لگے۔ چند گھروں سے دریافت کیا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔ آخر سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

”کون ہے؟“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور التجا کی ”اے سچے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی! اس مسکین کی خوراک کا بند و بست کیجئے۔“

سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

”اے سلمان خدا کی قسم! آج سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں، لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گیا، جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی یہ چادر رکھ لو اور اس کے عوض اس مسکین کو کچھ خوراک دے دو۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعرابی کو ساتھ لے کر شمعون کے

پاس پہنچے اور اس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ دریائے حیرت میں غرق ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا ہلاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ

وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

”اے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے باپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لایا۔“

اس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور چادر بھی واپس بھیج دی۔ وہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اتاج پسیا اور جلدی سے اعرابی کے لئے روٹیاں پکا کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیں۔ انہوں نے کہا:

”اے میرے آقا کی لخت جگر ان میں سے کچھ بچوں کے لئے رکھ لیجئے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

”اے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو چیز میں راؤ خدا میں دے چکی وہ

میرے بچوں کے لئے جائز نہیں۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روٹیاں لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ روٹیاں اعرابی کو دے دیں اور پھر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

”یا الہی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیری بندی ہے اس سے راضی رہنا۔“

ایک دفعہ کسی نے سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہوگی؟

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

”تمہارے لئے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سارے ہی راہِ خدا میں دے دوں۔“

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک وقت کے فاقہ کے بعد ہم سب کو کھانا میسر ہوا۔ والد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میں کھا چکے تھے لیکن والدہ ماجدہ نے ابھی نہیں کھایا تھا۔ انہوں نے ابھی روٹی پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ دروازے پر ایک سائل نے صدا دی۔

”اے اللہ کے رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی میں دو وقت سے بھوکا ہوں، میرا پیٹ بھر دو۔“

والدہ محترمہ نے فوراً کھانے سے ہاتھ اٹھالیا اور مجھ سے فرمایا:
”جاؤ یہ کھانا سائل کو دے آؤ، مجھے تو ایک ہی وقت کا فاقہ ہے اور اس نے دو وقت سے نہیں کھایا۔“

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے جو حاصل کئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا ایک حصہ لے کر آنا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

”میں بھوکا ہوں۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا پھر باقی اتنا ج میں سے کچھ حصہ پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اس مرتبہ ایک مشرک قیدی نے اللہ

(عزوجل) کی راہ میں کھانا مانا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا۔ غرض اسب اہل خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس گھر کے قدسی صفات مکینوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدھر)
اور وہ اللہ (عزوجل) کی راہ میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

زُہد و تقویٰ

ایک دفعہ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسجد نبوی شریف میں تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا:

”یہ کہاں سے آیا ہے۔“

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

”ابا جان! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تھوڑے سے جو پیس کر روٹی پکائی تھی۔ جب بچوں کو کھلا رہی تھی۔ خیال آیا کہ ابا جان کو بھی تھوڑی سی کھلا دوں۔ معلوم نہیں وہ کس حال میں ہوں۔ اے اللہ کے برحق رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روٹی تناول فرمائی اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اے میری بچی چار وقت کے بعد یہ روٹی کا پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے

باپ کے منہ میں پہنچا ہے۔“

ایک دفعہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہو گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانثار حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین کو ساتھ لیا اور اپنی لخت جگر کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر داخلے کی اجازت مانگی۔

اندر سے سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز آئی ”تشریف لائیے۔“
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے ساتھ عمران بن حصین
بھی ہیں۔“ (رضی اللہ عنہ)

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”اباجان! اس اللہ کی قسم! جس نے آپ
کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے کہ
پردہ کروں۔“ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک دی
اور فرمایا: ”بیٹی اس سے پردہ کر لو۔“

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ
عنه اندر تشریف لے گئے اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا حال پوچھا۔ سیدہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی ”اباجان شدت درد سے بے چین ہوں اور
بھوک سے نڈھال ہوں کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میری بیٹی! صبر کر، میں بھی
آج تین دن سے بھوکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میں کچھ مانگتا وہ ضرور مجھے عطا کرتا
لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دست شفقت حضرت فاطمہ
الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پشت پر پھیرا اور فرمایا:

”اے لخت جگر دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہو، تم جنت کی
عورتوں کی سردار ہو۔“

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ
عنہما دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ شام کے قریب ایک تاجر کے اونٹ آئے
اسے اونٹوں سے سامان اتروانے کے لئے ایک مزدور کی ضرورت تھی۔ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور پہررات تک اس

کے اونٹوں کا سامان اتارا۔ تاجر نے ایک درہم محنت کا معاوضہ دیا۔ چونکہ رات زیادہ آچکی تھی اس لئے خورد و نوش کی دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ تاہم ایک دکان سے جو مل گئے۔ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک درہم کے جو لے کر آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیر سے راہ تک رہی تھیں۔ شوہر نامدار کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں جو ان سے لے کر چکی میں پیسے پھر ان کو گوندھا آگ جلائی اور روٹی پکا کر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک یاد آیا کہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہے۔

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدہ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے بھی یہی حال تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھوک کی حالت میں کاشانہ اقدس کی حالت میں راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے۔ اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقے سے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوروں کے باغ میں لگے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اہلاؤ سہلاؤ کہا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: ”ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟“

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ مکان کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سنی تو کھجوروں کا گچھا توڑ کر

بے تابانہ دوڑتے ہوئے گھر پہنچے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ آدھے گوشت کا سالن چکولیا اور آدھے کے کباب بنوائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا: ”اسے فاطمہ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔“

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل ارشاد کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کرام کے ساتھ کھانا کھایا۔ پر تکلف کھانا کھاتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیاوی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا)

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے پاس آکر دریافت فرمایا: ”میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہاں ہیں؟“ میں نے عرض کیا ”ابا جان! آج صبح ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ میں ان دونوں بچوں کو لے کر فلاں یہودی کے پاس (مزدوری کے لئے) جا رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ یہ بچے کھانے کے لئے روئیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ دونوں بچے ایک حوض کے پاس کھیل رہے ہیں اور ان کے قریب چند کھجوریں پڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے علی! (رضی اللہ عنہ) اس سے پہلے کہ دھوپ تیز ہو جائے ان بچوں کو

گھر لے جاؤ۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم صبح سے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے تشریف رکھیں میں درخت سے گری ہوئی کھجوریں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی چن لوں۔“ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے رک گئے اور اس اثناء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے لئے کھجوریں چن کر ایک کپڑے میں ڈال دیں اور چل پڑے۔ بچوں میں سے ایک کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھالیا اور ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور اسی طرح سب گھر پہنچے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم پر کئی دن ایسے گزر گئے کہ نہ تو ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اسی زمانے میں ایک دن میں کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک دینار پڑا۔ تھوڑی دیر میں نے سوچا کہ اسے اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔ آخر میں نے اسے اٹھالیا کیونکہ سخت مصیبت (متکدستی) میں مبتلا تھا۔ اسے لے کر ایک دکاندار کے پاس آیا اور آنا خرید کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گیا اور ان سے کہا ”اسے گوند ہو اور روٹی پکاؤ۔“ انہوں نے آنا گوند ہنا شروع کیا۔ اس وقت بھوک کی وجہ سے ان کی کمزوری کی یہ کیفیت تھی کہ کمر جھک گئی تھی۔ اور ان کی پیشانی کے بال لگن تک پہنچ رہے تھے۔ بہر حال انہوں نے جو توں کر کے آنا گوندھا اور روٹی پکائی پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کھا لو اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ رزق دیا ہے۔

ایک دن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں

بھی تیرہ بیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

”فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اجر دے۔“

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ سامنے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور بالکل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ذرا قریب آؤ۔“ یہ ذرا قریب ہوئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) قریب ہو، یہ ذرا اور قریب ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) قریب ہو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور قریب ہو گئیں اور ان کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور خون نہیں رہ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں پھیلائیں پھر اپنی ہتھیلی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینے پر رکھی اور اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا: اے میرے اللہ! بھوکے پیٹ کو بھر دینے والے اور حاجت کو پورا کرنے والے اور گرے ہوئے کو بلند کرنے والے، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھوکا نہ رکھ۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضرت فاطمہ ازہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے پر جو پیلا پن تھا وہ جاتا رہا اور خون ظاہر ہو گیا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے عمران (رضی اللہ عنہ) مجھے اس وقت سے بھوک نے کبھی نہیں ستایا۔

عبادت اور شب بیداری

سیدتا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادتِ الہی سے بے انتہا شغف تھا۔ وہ قائم لیل اور دائم الصوم تھیں۔ خوفِ الہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی تھیں۔ مسجد نبوی کے پہلو میں گھر تھا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات و مواعظ گھر بیٹھے سنا کرتی تھیں۔ ان میں عقوبت اور محاسبہ آخرت کا ذکر آتا تو ان پر ایسی رقت طاہری ہوتی کہ روتے روتے غش آ جاتا تھا۔ تلاوت قرآن کرتے وقت عقوبت و عذاب کی آیات آ جاتیں تو جسم اطہر پر کچکی طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔

زبان پر اکثر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی جاتی تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عبادت کرتی تھیں لیکن گھر کے کام دھندوں میں فرق نہ آنے دیتی تھیں۔

سیدہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کو گھر کے کام دھندوں سے فرصت پانے کے بعد صبح سے شام تک محراب عبادت میں اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ و زاری کرتے نہایت خشوع و خضوع کے

ساتھ اس کی حمد و ثناء کرتے اور دعائیں مانگتے دیکھا کرتا تھا۔ یہ دعائیں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے مانگتی تھیں۔

عبادت کرتے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نورانی چہرہ زعفرانی ہو جاتا تھا۔ جس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکثر مصلیٰ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میری مادرِ گرامی نماز کے لئے گھریلو مسجد کی محراب میں کھڑی ہوئیں اور ساری رات نماز میں مشغول رہیں۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ مادرِ گرامی نے مومنین اور مومنات کے لئے بہت دعائیں مانگیں مگر اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگی۔

میں نے عرض کیا ”اماں جان! آپ نے سب کے لئے دعا مانگی لیکن آپ نے اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگی؟“

فرمایا: ”بیٹا! پہلا حق باہر والوں کا ہے اس کے بعد گھر والوں کا۔“

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری ساری رات نماز میں گزار دیتی تھیں۔

بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی عبادت الہی کو ترک نہ کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے احکام کی تکمیل اس کی رضا جوئی اور سنت نبوی کی پیروی ان کے رگ و پے میں ساگنی تھی۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اور گھر گریہ ہستی کے کام کاج کرتے ہوئے بھی ایک اللہ (عز و جل) کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان کا لقب بتول پڑ گیا تھا۔

تھکن دور کرنے کا نسخہ

جس زمانے میں فتوحات اسلام روز بروز وسعت پذیر ہو رہی تھیں، مدینہ منورہ میں بکثرت مال غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ فاتح کو لڑائی کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آتا اس کا تین چوتھائی لشکر کا حصہ ہوتا اور ایک چوتھائی فریق غالب کے سردار کا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم الہی اِنَّمَا عَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ۔

یعنی اے مسلمانو! جان لو کہ جو مال تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب داروں کا اور تیسوں کا اور مسکینوں کا حق ہے) کے مطابق اس رواج میں تبدیلی کر دی گئی اور صرف پانچواں حصہ اپنے پاس رکھ کر چار حصے عامۃ المسلمین میں تقسیم کر دیتے اپنا حصہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب راہ خدا میں صرف کر دیتے اور فقر و فاقہ اور قناعت سے اپنی زندگی گزارنے حتیٰ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اپنی لخت جگر فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسائش کا کوئی انتظام نہ فرمایا، اگر کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اشارہ کنایہ لوٹھی یا کپڑے کے لئے استدعا کرتیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے بیٹی فقرا اور یتامی کا حق پہلے ہے، کبھی ان کی دوسرے طریقوں سے

سمجھا بجا کر تسلی و تشفی فرمادیتے۔

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں کچھ غلام اور لونڈیاں آئیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

”فاطمہ چلی پیتے پیتے تمہارے ہاتھوں میں آبلے (گئے) بڑ گئے ہیں اور چولہا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ آج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں جاؤ اپنے ابا جان سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔“

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن شرم و حیا حرف مد عازبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر بارگاہ نبوی میں حاضر رہ کر گھر واپس آ گئیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کینر مانگنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ دوسرے دن دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم کو کوئی لونڈی خدمت کے لئے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحاب صفہ کی خور و نوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرتا ہے میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنہوں نے اپنا گھربار چھوڑ کر فقر و فاقہ اختیار کیا۔“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر دونوں میاں بیوی خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی مانگنے کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وہاں

لوگوں کا مجمع دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکیں کیونکہ ان کے مزاج میں شرم و حیا بہت زیادہ تھی۔ آخر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی ضرورت کا اظہار کر کے آگئیں۔ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچائی تو دوسرے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

”فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کل تم کس غرض سے میرے پاس گئی تھیں۔“

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرم کے مارے اب بھی کچھ عرض نہ کر سکیں اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حالت ہے

کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ مشک بھرنے سے سینے پر رسی کے نشان ہو گئے ہیں۔ ہر وقت گھر کے کاموں میں مصروف رہنے سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں، کل میں نے ان سے کہا تھا کہ آج کل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں لوٹیاں آئی ہوئی ہیں تم جا کر اپنی تکلیف بیان کرو اور ایک لوٹنی مانگ لاؤ تاکہ تمہاری تکلیف کچھ ہلکی ہو جائے۔ یہی درخواست لے کر یہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔“

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بیٹی بدر کے شہیدوں کے یتیم تم سے پہلے مدد کے حقدار ہیں۔“

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم جس چیز کی خواہش مند تھیں اس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں۔

ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت

33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھا لیا کرو یہ عمل

تمہارے لئے لوٹدی اور غلام سے بڑھ کر ثابت ہوگا۔
سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:
”میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی حال میں
راضی ہوں۔“ (عزوجل)

کائنات کی افضل ترین خواتین

حضرت مریم و فاطمہ و عائشہ و خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں افضل کون ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور اس موضوع پر قلم اٹھانا بہت مشکل ہے۔ اس بارے میں صاحب تفسیر نعیمی نے جو بحث قلمبند کی ہے اس کو لکھ رہا ہوں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں میں افضل کون ہے؟ بعض نے فرمایا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے افضل ہیں بلکہ بعض کے نزدیک وہ نبی ہیں کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور عالم مطلق سے فقط رائے سے اس کو خاص نہیں کر سکتے۔

نیز ابن جریر نے فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے فاطمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا باقی تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔“

ابن عساکر نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”جنتی عورتوں کی سردار مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ابن ابی شیبہ نے ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

”اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے افضل قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر مہربان اور شوہر کی خیر خواہ ہیں اور اگر ہمیں تحقیق ہوتی کہ مریم بنت عمران (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اونٹ پر سوار ہوئی ہیں تو ہم ان پر کسی کو بزرگی نہ دیتے۔“

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور باقی مذکورہ عورتوں کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل نہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن شریف میں کلام فرمایا، ان عورتوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش رب تعالیٰ نے کی اور ان خواتین کی پرورش ان کے والدین نے کی۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جنتی میوے آئے ان کے پاس نہ آئے۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض و نفاس سے پاک رہیں مگر حضرت عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما میں یہ خصوصیت نہیں۔

ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سب سے افضل ہیں۔

بعض نے فرمایا کہ

حضرت فاطمہ الزہراء، عائشہ صدیقہ اور خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نہ صرف حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ اولین و آخرین تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے

اے نبی آخر الزمان! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عورت تو! تم کسی عورت کی مثل نہیں سب سے افضل ہو۔ (القرآن)

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اے محبوب! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گھر والو رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور فرمائے اور تمہیں ظاہر و باطن ہر طرح خوب پاک فرمادے۔ (القرآن)

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمران (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی منظور نظر مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الانس والجان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی لخت جگر، علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ مطہرہ، سید الشہداء (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی والدہ محترمہ۔ یہ اوصاف حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ فرماتا:

واصطفك على ساء العالمين

ایسا ہی سے کہ۔۔۔ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا تھا

وانی فاصفک علی العالمین

اور جیسے اُس زمانہ میں بنی اسرائیل دوسری قوموں سے افضل تھے ایسے ہی اس وقت کی ساری عورتوں سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑھ چڑھ کر تھیں۔ مثلاً اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنتی پھل ملے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو جنتی پانی پلایا گیا اور وہاں کی نعمتیں کھلائی گئیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ ایک پیالہ پانی سے چودہ سو پیالے سیر ہوئے۔

ایک گلاس دودھ سے ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سیر ہوئے۔

حضرت جابرؓ کے گھر چار سیر جو سے سارے لشکر والوں بلکہ تمام مدینہ والوں کا پیٹ بھر گیا۔

یہ پانی دودھ گوشت آٹا وغیرہ کہاں سے آرہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا رابطہ جنت سے فرمادیا تھا وہاں کی یہ نعمتیں تھیں۔ اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زکریا علیہ السلام نے پرورش فرمایا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں پلیں اور پروان چڑھیں۔

اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں تو فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی اور عزت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل اصول۔

یہ سارا باغ انہیں کا ہے اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملائکہ نے کلام کیا تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جبرئیل امین علیہ السلام نے سلام کیا۔ غرضیکہ کلی عظمت ان عورتوں کو حاصل ہے۔ ہاں! حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جزوی طور پر افضل ہیں۔

مقاتل نے روایت کی کہ چار عورتیں جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔

1- مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہا

2- آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

3- خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

4- فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اور ان میں افضل فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہمت لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں گویائی بخش کر ان کی عظمت کی گواہی دلوادی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بھی ایک شیر خوار بچے ہی کے ذریعے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی گئی مگر جب سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہمت لگی تو ہو سکتا تھا کہ وہاں بھی کسی شیر خوار بچے سے یا لکڑی، پتھر، درخت وغیرہ کو گویائی بخش کر گواہی دلوادی جاسکتی تھی مگر ایسا نہ کیا بلکہ رب تعالیٰ نے خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کا ذکر فرمایا اور آپ کی پاک دامنی، عصمت، جنتی ہونے کی گواہی اس طرح دی کہ سورہ نور میں اٹھارہ آیتیں اتاریں۔ بعض میں آپ کی پاک دامنی کا ذکر فرمایا اور تہمت لگانے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اس فرق و مراتب کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضلیت مطلقہ ثابت ہو کہ ان کا گواہ شیر خوار بچہ اور صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گواہ خود رب العالمین۔

حضرت عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ بعض کے نزدیک حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل۔ اس لئے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ آپ کی شرافت اصلی ذاتی ہے اور سب کی عارضی۔

چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر موجود کے سردار اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جزو لہذا جو کل کا حال وہ جزو کا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی داخل ہیں۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم شکل محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ کی رفتار گفتار، شکل و شباهت بالکل حضور علیہ السلام کی مثل تھیں۔

سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض و نفاس سے پاک تھیں۔ سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی کلی ہیں اسی لئے آپ کا لقب شریف زہراء ہے۔

بمعنی آپ کو فاطمہ اور بتول بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ دنیا میں رہتے

ہوئے دنیا سے بے تعلق رہی ہیں۔

مبسوط کتاب الکرہیۃ باب المس میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔

بتول و فاطمہ زہرہ لقب اس واسطے پایا

کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نگہت کا

فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نسل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل

ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں یہ وصف نہیں۔

مگر بعض کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمہ

الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ چند وجوہ سے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

ينساء النبي لستن كاحد من النساء

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویو! تم کسی عورت کی طرح نہیں۔“

اور کسی میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی داخل ہیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں ہیں اور فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹی اور یقیناً ماں بیٹی سے افضل ہے۔

جنت میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی کرم اللہ

وجہہ الکریم کے ساتھ ہوں گی، مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اور اس جگہ سے یہ جگہ افضل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شیطان کے اثر سے پاک کیونکہ نبی

کی بیوی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام مسلمانوں کی ماں ہیں کسی کے نکاح

میں نہیں آسکتیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حکم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالمہ اور فقیہہ ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو تہائی دین عائشہ سے لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علمی اختلاف کا فیصلہ فرماتی تھیں اور اہل علم دوسروں سے افضل ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت روح الامین علیہ السلام سلام کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بستر میں حضور علیہ السلام پر وحی آتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری قیام گاہ قرار پایا کہ یہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ہے اور یہ قیامت تک کے لئے جن وانس و ملائکہ کی زیارت گاہ بن گیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود صدیقہ، باپ صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شوہر نبیوں کے سردار، میکہ بھی اعلیٰ، سسرال بھی بالا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود أم المؤمنین، والد امیر المؤمنین اور شوہر خاتم النبیین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حاصل بحث

اس اختلاف کا فیصلہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہر قسم کے دلائل ملتے ہیں لہذا یا تو خاموشی اختیار کی جائے یا یوں کہنا چاہئے کہ بعض لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل ہیں اور بعض کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ایک لخت جگر نور نظر تو دوسری سب سے محبوب بیوی۔ شامی نے باب الکفو میں یہی فیصلہ فرمایا: یہ دونوں ہماری آقاہیں، قیامت تک کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائے ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔ (تفسیر نعیمی)

واقعہ مباہلہ

اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ میں سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر موجود ہے اور سیرت کے حوالے سے اس واقعہ کا ذکر نا ضروری ہے۔

ابن اسحاق اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں کہ

نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد کے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ساتھ آدمی بھیجے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عاقب جس کا نام عبدالمسح تھا، سید جس کا نام الہیم تھا، ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا، اوش بن حارث، زید، قیس، یزید اور اس کے دونوں لڑکے خویلد عمرو، خالد، عبد اللہ اور محسن۔ یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص، عاقب جو امیر قوم تھا اور علقمہ سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر قوم مطمئن ہوتی تھی اور سید جو ان کا لاکھ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا۔ یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی۔ اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر مدارت اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے۔ یہ شخص حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفات پڑھ چکا تھا۔ دل سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا

قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا اسے کے چھن جانے کے خوف سے راہِ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ شریف میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے۔ یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کہتے ہیں ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا۔ ان کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی شریف ہی میں اپنے طریق پر نماز ادا کر لی۔ بعد نماز کے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی گفتگو ہوئی۔ ان کی طرف سے بولنے والے یہ تین شخص تھے۔ ۱- حارث بن علقمہ ۲- عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی الہیم۔ یہ گوشاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تینوں خیال ان کے تھے۔ یعنی وہ خود خدا ہیں اور خدا کے لڑکے ہیں اور تین میں کا تیرا ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا اور پاک ہے اور بہت ہی بلند و بالا شان کا مالک ہے۔

تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا (معاذ اللہ) ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور اندھوں اور کوڑھوں اور بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ غیب کی خبریں دیتے تھے اور

مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتے تھے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم ہو جائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں بولنے لگے تھے یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آتی تھیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اسباب کا محکوم اور محتاج نہ سمجھیں)

تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا: خلقنا انزلنا وغیرہ میں (ہم) کا صیغہ کا استعمال ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا (میں نے) کہا یا میرا میری مخلوق ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اللہ (عزوجل) تین ہیں۔

خود خدا اور عیسیٰ علیہ السلام اور مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

جس کا جواب یہ ہے ہم کا لفظ صرف بڑائی اور عظمت کے لئے ہے

یہ مندرجہ بالا عقائد تھے جو تینوں سرداروں میں باہم مشترک تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس قسم کے بطلان وغیرہ سے پاک اور مبرا ہے اور ان

مکرمین کا جواب قرآن میں اتر ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم ایمان لے آؤ۔“

وہ بولے

ہم تو ماننے والے ہیں اور آپ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔“

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہارا یہ اسلام قبول نہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی اولاد مانتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو۔ خنزیر کھاتے ہو وغیرہ وغیرہ۔“

انہوں نے جواب دیا:

”ہاں یہ سچ ہے وہ خدا کے بیٹے تھے ورنہ بتائیے ان کا باپ کون تھا؟“

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔“

وہ بولے

”ہاں!“

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہمارا رب تعالیٰ جی لایموت ہے اس کے لئے موت ناممکن ہے اور

عیسیٰ (علیہ السلام) پر موت آنے والی ہے۔“

وہ بولے

”ہاں!“

پھر فرمایا:

”رب بندوں کا حقیقی کارساز، محافظ اور روزی دینے والا ہے۔ وہ بولے!

”ہاں!“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”کیا عیسیٰ (علیہ السلام) بھی ایسے ہیں؟“

انہوں نے کہا

”نہیں“

پھر فرمایا:

”تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، انہوں نے

اقرار کیا تو فرمایا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ماں کے پیٹ میں رہے۔ پیدا ہونے والے کی طرح پیدا ہوئے، بچوں کی طرح کھاتے پیتے تھے، انسانی عوارضات بھی رکھتے تھے۔

انہوں نے اقرار کیا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

پھر عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کیسے ہیں؟

اس پر سب سردار خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد آل عمران کی ابتدائی آیات اور آیت مہلبہ پڑھیں۔ آیت

مہلبہ یہ ہے۔

فَمَنْ حَاجَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَ

نَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ. (آل عمران ۶۱)

پھر اے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں

حجت کریں بعد اس کے تمہیں علم آپ کا تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں

اپنے بیٹے۔

اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مہبلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔ (کنز الایمان)
اس مہبلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”اگر نہیں مانتے تو آؤ مہبلہ کو نکلو“
یہ سن کر وہ کہنے لگے۔

”اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر آپ اس کا جواب دیں گے“
اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ کیا جو بڑا دانا عقلمند سمجھا جاتا تھا اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا۔

”اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے تم سن چکے ہو۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جو قوم نبی علیہ السلام کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جز بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مہبلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا استیاناں ہو جائے گا بس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔“

یہ مشورہ ہونے کے بعد یہ لوگ وقت مقررہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے ادھر اتمامِ صحت کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اس طرح تشریف لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دست مبارک میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو سب آمین کہنا۔ گویا ”نہجتن پاک“ تھے اس وقت ان نفوس قدسی کے چہروں سے حق کا ایسا رعب اور جلال ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی وفد کے ارکان کانپ اٹھے۔

ادھر عیسائیوں کے چودہ سردار ان کے ساتھ بہت مخلوق۔ عیسائیوں کے سردار نے ان کو دیکھ کر کہا۔

”اے نصرانیوں! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ ہٹانے کو کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان سے مبالغہ نہ کرو ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔“

آخر کار انہوں نے عرض کیا۔

”مبالغہ کی ہماری رائے نہیں اور ہم آپ سے جزیہ پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہزار جوڑے تینتیس زرہ تینتیس اونٹ اور چونتیس گھوڑے دیا کریں گے۔“

حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور فرمایا۔

”قسم رب کی بخران والوں پر عذاب قریب آگیا تھا اگر وہ مبالغہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے اور ان کا جنگل آگ بھڑک اٹھتا۔ اور بخران کے چرند پرند تک نیست و نابود ہو جاتے بلکہ ایک سال کے اندر

روئے زمین کے عیسائی ہلاک ہو جائے۔ (خزان العرفان و کبریا)
تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ۔

اس واقعہ کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمبل شریف
میں حضرات حسین و فاطمہ الزہراء علی مر تقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو
داخل فرما کر دعا کی کہ ”مولیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں خوب
پاک فرما۔“

تفسیر ابن کبیر نے کہا کہ۔

جب وفد بخران جزیہ دینے کے لئے راضی ہو گیا تو انہوں نے سرکار مدینہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ

اے ابوالقاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہ ہم آپ سے مہلبہ
نہیں کرنا چاہتے آپ اپنے دین پر ہیں اور ہمیں ہمارے خیالات پر
رہنے دیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ اپنے
صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جن سے آپ خوش
ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں۔ آپ لوگ
ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں۔“

سرکار دو جہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اچھا دو پہر کو تم پھر آنا میں تمہارے ساتھ مضبوط امانت دار کو بھیج دوں گا۔“
چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ
عنه کو اس کام کے لئے پسند فرمایا۔
اور فرمایا۔

”اے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنه ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے
اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو۔“

چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکے ساتھ چلے گئے۔

ابناءنا و البناءکم

ابناءنا سے بیٹے پوتے نواسے سب ہی مراد ہیں۔ یعنی مزکر اولاد اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے ساتھ امام حسن و حسین علیہم الرضوان کو ساتھ لے گئے تھے۔ جو کہ حضور علیہ السلام کے نواسے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں ابناء سے مجاز اولاد اور داماد مراد ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ جن کا شمار داماد ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی اولاد میں تھا۔

نساءنا و نساءکم

خلاف قیاس امر اء کی جمع ہے بمعنی عورت

یہاں اس سے بیویاں مراد نہیں بلکہ بیٹیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ ابناء سے معلوم ہوا کیونکہ فقط نساء سے مطلق عورتیں مراد ہوتی ہیں اور جب نساء کسی کی طرف مضاف ہو تو بیویاں جیسے یا نساء النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اور

اگر ابناء سے مل کر آئے تو مراد بیٹیاں ہیں۔

جیسے یہاں خیال ہے کہ وفد نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نہ ان کی بیویاں

تھیں نہ بیٹیاں نہ کوئی اور۔

انہوں نے صرف دعائیں انہیں شریک کرنا تھا۔ نیز اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ نہ کہ کوئی ازواج المطہرات کو (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظاہری وصال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ملک الموت علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ۔

”زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ اور خبر دار اور اجازت لئے بغیر اندر نہ ہونا اور میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر روح قبض نہ کرنا۔“

چنانچہ حضرت قابض ارواح علیہ السلام نے دروازے کے باہر ایک اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السلام علیکم اهل بیت النبوة
ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر اللہ عزوجل کی رحمت ہو اس وقت حضرت سیدنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔

”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔“

حضرت ملک الموت (علیہ السلام) نے دوسری مرتبہ اجازت مانگی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہی جواب دہرا دیا۔ حضرت ملک

الموت (علیہ السلام) نے تیسری مرتبہ اجازت مانگی اور باؤز بلند اجازت مانگی۔

چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا ”کیا بات ہے“

تمام صورت حال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے یہ

لذتوں کو توڑنے والا، خواہشوں اور تمنائوں کو کچلنے والا اجتماعی

بندھنوں کو کھولنے والا۔ بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں اور بیٹیوں کو

یتیم بنانے والا۔ ملک الموت عزرائیل (علیہ السلام) ہیں۔

سیدہ فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے جب یہ سنا تو رونے لگیں تو

شہنشاہ دو جہاں سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

”اے میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) روؤ نہیں کیونکہ تمہارے

رونے سے حاملین عرش بھی روتے ہیں۔“

اور اپنے دست مبارک سے حضرت فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے

چہرہ انور سے اشکوں کو پونچھا اور دل داری و بشارت فرمائی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال ظاہری کی خبر سن کر سیدنا حضرت

فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حالت بے قابو اور پریشان ہو گئی اور وہ رونے

لگیں تو عنخوار آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو تسلی دیتے

ہوئے یہ بشارت دی کہ۔

”آخرت میں تم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سب سے پہلے مجھ سے ملو گی“
اور اس بات کی بھی بشارت دی کہ۔

”تم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جنتی عورتوں کی سردار ہو گی۔
یہ دونوں حدیثیں اسی ایک وقت پر واقع ہوئی ہیں۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور دعا
فرمائی۔

”اے اللہ (عزوجل) انہیں میری جدائی پر صبر نصیب فرما۔“
حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکارا۔
”واکرباہ“

ہائے مصیبت!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہارے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر
آج کے بعد کوئی کرب و اندوہ نہیں ہے“

مطلب یہ کہ کرب و اندوہ شدت الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے اور
بواسطہ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے بعد
سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

”اپنے بچوں کو لاؤ۔“

وہ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما الرضوان کو حضور اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ جب ان صاحبزادگان (علیہما الرضوان) نے
سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے۔ اور اتنی گریہ وزاری کی کہ ان شہزادوں
کی گریہ زاری سے گھر کا ہر فرد رونے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو بوسہ دیا اور ان کی تعظیم و توقیر کی اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام

علیہم الرضوان اور تمام امت کو وصیت فرمائی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ۔
 ”امام حسن اور امام حسین علیہما الرضوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش
 میں رو رہے تھے جب ان کے رونے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش
 مبارک میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ سیدنا ام المومنین ام
 سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گزشتہ و
 آئندہ ہر حالت میں مغفور ہیں گریہ فرمانے کی وجہ کیا ہے۔“
 تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”میری گریہ و زاری اپنی امت پر رحم و شفقت کے لئے ہے کہ میرے بعد
 ان کا حال کیا سے کیا ہوگا“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری وصال

کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی حالت زار

دفن کے بعد جب صحابہ کرام علیہم الرضوان سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا۔ ”تمہارے دلوں نے کیسے
 گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔“

یہ سن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض
 کیا ”ٹھیک فرمایا اے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے زہرا رضی اللہ تعالیٰ
 عنہا ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے حکم
 شرع سے چارہ نہیں ہے۔“

اس کے بعد سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور کونین صلی اللہ علیہ
 وسلم قبر اقدس کے سرہانے آئیں اور قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں

پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔

ماذا على من شم تربة احمد ﷺ
ان لا يشم مدى الزمان غوالياً
حبت على مصائب لوانها
حبت على الايام صرن ليا لياً

ترجمہ: (جو شخص احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھے لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی کوئی خوشبو نہ سونگھے (یعنی اس کو ساری عمر خوشبو کی ضرورت نہیں۔ مجھ پر جو مصیبتیں پڑی اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نظم کردہ ہیں جسے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھا۔
بعض اہل سیر نے خود حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کچھ اشعار منسوب کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

اغبر آفاق السماء وكورت
شمس النهار واطلم العصران
والارض من بعد النبی كینة
اسفاً عليه كثيرة الاخران
فليله شرق البلاد وغربها
ولتبكيه مضر وكل همان
يا خاتم الرسل المبارك ضوة
صلى عليك منزل القران

ترجمہ: (آسمان غبار آلود ہو گیا) آفتاب پیٹ دیا گیا دنیا میں تاریکی ہو گئی نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فرط الم سے شق ہو گئی ہے چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرق و مغرب کے رہنے والے روئیں اور چاہیے کہ تمام اہل یمن اور قبلہ مضر کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال پر روئیں اے خاتم المرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم برکت و سعادت کو جوئے فیض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود و سلام بھیجا ہے۔

یہ اشعار بھی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب ہیں۔

انا فقد ناک فقد الارض وابلها
وغاب مدغبت عنا الومی والکتب
فلیت قبلك کان الموت صادفنا
لما بغیب وحالت دونک الکتب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کیا جدا ہو گئے زمین اپنی طراوت سے محروم ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے وحی اور خدائی کتابوں کے اترنے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال ظاہری سے پیشتر اور اس وقت سے پہلے جب مٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ کیا ہمیں موت آ جاتی اور ہم مر گئے ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان خاک و حسرت و ندامت اپنے وقت و حال کے سر پر ڈالنے لگے اور اپنے محبوب دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آتش فراق میں جلنے لگے اور گریہ و زاری کرنے لگے خصوصاً حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ، نیکس تراور زار و نالاں تر تھیں سیدنا امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتیں اور اپنی قیمتی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔

دوسرے گوشہ میں سیدنا امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی حجرہ میں جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا تھا مصروف آہ و بکا تھیں۔ اس بیت الحزن و فراق میں رات دن آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا تو دور روشن شب و بچور کی مانند ہو گیا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر و نورانی تر نہ تھا جس دن کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی دن بدتر و تاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا بھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پر پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب اذن اور مستجاب الدعوات تھے۔ انہوں نے دعاماگی کہ ”اے اللہ عزوجل جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ لے لے کیونکہ بغیر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ جمال میں اسے نہیں چاہتا۔“

وہ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ اور ایک جماعت کو تو مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار کے بغیر صبر و قرار آتا ہی نہ تھا۔ انہوں نے جہاں نور دی اور مسافرت اختیار کی۔

ان میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ مدینے کی گلیوں میں دیوانہ وار بھرتے تھے اور لوگوں سے پوچھتے تھے کہ بھائیو! تم نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے تو مجھے بھی دیدار کرا دو یا مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتا دو۔ مدینہ شریف کی گلیوں میں ہر جگہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کے نشان ہیں۔ آخر کار بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جدائی کی تاب نہ لا کر مدینے سے ہجرت کر کے ملک شام کے شہر حلب میں چلے گئے۔

تقریباً ایک سال کے بعد خواب میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا۔ سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے ہیں ”اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑ دیا؟ کیا تمہارا دل ہم سے ملنے کو نہیں چاہتا؟“ آنکھ کھل گئی۔ اضطراب بڑھ گیا ”لبیک یا سیدی“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اے آقا! غلام حاضر ہے۔ کہتے ہوئے اٹھے اور راتوں رات اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف چل نکلے۔ رات دن برابر سفر کرتے ہوئے آخر مرکز عشاق دیار مدینہ کی نورانی اور پر کیف فضاؤں میں داخل ہو گئے مدینے میں داخل ہوتے ہی دل کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔ سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے اور

مدینہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو تلاش کیا مگر سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ نظر آئے۔ پھر حجروں میں تلاش کیا آہ! وہاں بھی سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ ملے۔ آخر بے قرار ہو کر مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حلب سے غلام کو بلایا اور خود پردہ میں چھپ گئے دیدار بھی نہ کر لیا روتے روتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش کر قبر انور کے قریب گر گئے۔ اس دوران بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا شہرہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف غل تھا کہ موذن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ ہر طرف لوگوں کا جھوم ہو گیا ہے اب منت و سماجت شروع ہو گئی۔ لوگ التجائیں کر رہے ہیں ”اے بلال! رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ پھر وہ درد بھری اذان سنا دو جو مدنی سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سناتے تھے۔“ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سب سے معذرت طلب کر رہے ہیں بھائیو! یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ میں جب حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات ظاہری میں اذان کہا کرتا تھا تو جس وقت میں ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہا کرتا تھا تو پیارے سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا آنکھوں سے دیدار کر لیا کرتا تھا آہ! اب تو سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پردہ میں چھپ گئے ہیں اب بتاؤ کہ اذان میں سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا دیدار کیونکہ ہو گا؟ مہربانی فرما کر مجھے اس خدمت سے معاف کر دو۔ مجھ میں برداشت کی قوت نہیں ہر چند لوگوں نے اصرار کیا مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار ہی کیا۔

بعض حضرات صحابہ کرام (علیہم الرضوان) نے رائے دی۔ کہ کسی

صورت سے حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا لائے۔ اگر شہزادے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان کی فرمائش کریں گے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور مان جائیں گے کیونکہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلبیت سے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے حد محبت ہے یہ رائے پسند آئی چنانچہ ایک صاحب جا کر حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا لائے۔ آتے ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج ہمیں وہی اذان سنا دو جو ہمارے نانا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سنایا کرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیارے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں اٹھا لیا اور پھر کہا تم میرے پیارے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے کلیجے کے ٹکڑے ہو، مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے باغ کے پھول ہو جو کچھ تم کہو گے وہی ہو گا۔ شہزادے اگر میں نے انکار کر دیا اور کہیں تم روٹھ گئے تو مزار میں سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بھی رنجیدہ ہو جائیں گے۔

اب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان شروع کر دی مدینہ کی فضاؤں میں جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرسوز آواز گونجی تو اہل مدینہ کے دل بل گئے۔ سرکار ابد اقرار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دنیوی حیات کا سماں بندھ گیا لوگ روتے ہوئے بے تاباں مسجد نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دوڑ پڑے۔ ہر شخص بے قرار ہو کر گھر سے باہر آ گیا عورتیں بچے سبھی مضطربانہ گلیوں میں نکل آئے لوگ غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے نڈھال ہو رہے تھے ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ جس وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشهد ان محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) زبان سے ادا کیا ہزار ہا چینیں ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئیں جس سے فضا

دہل گئی۔ مرد، عورتیں سبھی زار و قطار رو رہے تھے۔ ننھے ننھے بچے اپنی ماؤں سے لپٹ کر پوچھ رہے تھے امی جان سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے موذن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آگئے مگر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کب مدینے تشریف لائیں گے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ کہا تو بے ساختہ نظر منبر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف اٹھی آہ! مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا دیدار نہ ہو سکا جبر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے بے چین ہو گئے غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی تاب نہ لاسکے۔ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ جب بہت دیر کے بعد ہوش آیا تو اٹھے اور روتے ہوئے پھر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ (کتب کثیرہ)

اے کاش! قسمت مجھے مل جائے بلال حبشی کی
 دم عشق محمد (ﷺ) میں نکل جائے تو اچھا
 جاتے ہوئے انہوں نے حسین کریمین علیہم الرضوان سے سیدہ فاطمہ
 الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حال پوچھا تو شہزادے رونے لگے اور فرمایا۔

اجرك الله في فاطمه

یہ سن کر حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت روئے اور کہا اے جگر
 گو نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بخدا کتنی جلدی تم اپنے جد بزرگوار سے ملحق
 ہو گئیں۔

میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ

کچھ لوگوں میں اس بات کی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر خلیفۃ الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جگر گوشہ رسول فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی بناء پر حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تادم حیات ناراض رہیں۔ اس مسئلے کی ساری حقیقت وضاحت سے بیان کی جاتی ہے اور جو غلط فہمی لوگوں میں مشہور ہے اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں مروی ہے۔

انا معاشر الانبیاء لا نبوت

ولا نورث ماترکناہ صدقہ

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) وہ ہیں جو نہ کسی کی

میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے جو کچھ ہم ترکہ

چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد صلہ ظاہری چھوڑا ایک دراز

گوش اسلحہ، قیص مبارک، چادر شریف اور اسی قسم کے کچھ لباس اور بنی نضیر

خیبر اور فدک کی زمین تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھی۔

باغ فدک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے نان نفقہ

اور مسلمانوں فقراء و مساکین کی ضروریات میں خرچ فرماتے تھے جب حضور پر نور سید یوم المنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیدنا فاطمہ الہر رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور میراث طلب فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میراث دینے سے عذر خواہی پیش کی اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کہ ”جب آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انتقال فرمائیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وارث کون ہوگا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”میری اولاد اور میری اہل“

اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ۔

”پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد محترم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو میراث کی وارث نہ بنوں۔“

اس پر خلیفۃ الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مذکورہ فرمان رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سنایا۔ مزید فرمایا۔

چونکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں ہر اس شخص کی عیال داری کروں گا جس کی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیال داری فرماتے تھے اور میں ان اموال کو جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال اور مسلمانوں کے حوائج

و ضروریات پر خرچ فرمایا کرتے تھے نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس کے لئے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔“

چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے۔ جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ۔

”میں تمہیں کچھ دوں گا“

پھر وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد خلیفہ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وعدے کے مطابق شے موعود مرحمت فرمائی۔ یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں۔

”میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جو خیر فداک اور وہ مال جو مدینہ منورہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان میں سے کچھ عطا نہ فرمایا اور وہی جواب دیا جو سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔“

اور یہی حال دیگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تھا یہی بات بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مال سے بطریق میراث کچھ نہ دیا بلکہ یہ فرمایا کہ۔

آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس مال کو خرچ کریں جس طرح وہ سب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔ لیکن اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور اللہ عزوجل کی قسم! میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میراث میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سے دلگیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا اور اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بناء پر تھا؟

اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ پہنچی ہو۔ تو پہنچے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا۔ اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔

بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کے لئے گئے اور ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ۔

”اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں اور آپ سے آپ کی عیادت کی اجازت طلب فرماتے ہیں۔“

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ ”آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”ہاں“

تو سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دے دی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر آئے۔

ایسا ہی کتاب الوفا میں ہے۔

ریاض النفرہ میں منقول ہے کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔

اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے بیان کیا کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر تشریف لائے اور کہا کہ

”میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔“

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان کے پاس آئے اور سیدہ فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راضی ہو جانے کی قسم دی کہ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔

اسے مشخین نے کتاب الموافقہ میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھی۔

اس کا سبب یہ تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات میں اٹھایا گیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر نہ دی تھی کہ رات ہے۔

حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بلانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر روایتوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں حاضر ہونا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا بھی آیا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت آئے جب کہ وہ سخت عللیل تھیں اور عیادت کے لئے حاضر ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ۔

”ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے ہیں اور دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب فرما رہے ہیں اگر مرضی ہو تو آنے کی اجازت دیجئے کہ وہ اندر آجائیں۔“

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ۔

”کیا آپ کے نزدیک ان کے نہ آنے سے آنا زیادہ پسند ہے۔ حضرت علی

مر تفضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ۔

”ہاں“

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے اور بیمار پر سی کرتے ہوئے معذرت خواہی کی بات کی اور فرمایا۔

”میں نے تو گھربار مال و دولت اور کنبہ و قبیلہ محض اللہ عز و جل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اہل بیت کی رضا کے لئے چھوڑا ہے۔“

اس پر حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائے جانے کے سلسلہ میں مروی ہے کہ۔

انہوں نے مغرب و عشاء کے درمیان وفات پائی تھیں۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان بن عنان حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے پھر جب جنازہ رکھا گیا تاکہ نماز پڑھی جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ۔

”اے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آگے آؤ۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”میں آگے آؤں حالانکہ آپ موجود ہیں“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔

”ہاں میں موجود ہوں لیکن آپ کے سوا کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے گا۔“ اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد رات میں انہیں دفن

کیا گیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میراث کے معاملہ کوئی اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنایا تو جواب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔
 ”پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کے مطابق عمل کیجئے“

کیونکہ یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی پاک فطرت ہستی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر اسے تسلیم نہ کیا ہو بلکہ یہ ارشاد سنانے والے سے ہو گئیں یہ ناراضگی بھی بتقاضائے بشریت تھی اور عارضی تھی۔ جو کہ بعد خوشی میں بدل گئی تھی اور دل کوئی رنجش باقی نہ تھا۔

سیدہ عالم سیدتنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سفر آخرت

جب مدنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر قیامت برپا ہو گئی۔ زندگیاں اجڑ گئیں۔ ہر طرف ایک قیامت صغریٰ کا عالم تھا۔ غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں لوگ بے قرار ہو گئے اس موقع پر سیدتنا حضرت فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی دلی کیفیت کا عجیب عالم تھا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے از حد گریہ و زاری فرمائی اور کہتیں۔

”یا ینا یا ینا!“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔

واللہ! واللہ!

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔

واللہ! واللہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال کی خبر حضرت جبریل امین (علیہ

الصلوة والسلام) تک کون پہنچائے۔

واللہ! واللہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبریل علیہ السلام وحی کس پر لائیں گے۔ اے اللہ عزوجل! فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی روح کو حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے ملا دے۔

اے اللہ عزوجل مجھے اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دیدار نصیب فرمادے۔

اے اللہ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثواب سے دور نہ فرما اور روز قیامت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ فرما۔“
اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری فرمانے کے بعد کسی نے بھی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہنسنے نہ دیکھا۔

سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر شب فرقت چھائی ہوئی تھی۔ فراق کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹ رہی تھیں عالم سنگ و بو پھیکا پھیکا نظر آ رہا تھا۔ زندگی کا لطف باقی نہیں تھا جینے کا مزہ جاتا رہا تھا۔

وہی سورج تھا وہی چاند تھا۔ وہی ستارے تھے لیکن آہ آفتاب ہدایت نور دل فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سرور قلب زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا چین قلب سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف فرما تھے۔

سیدہ عالم فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد محترم نبی مکرم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں گریہ و کناں تھیں رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا پہنچا جس کی وہ اسی دن سے منتظر تھیں جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی تھی کہ۔

آخرت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔

سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات کے بارے

میں اہل سیر میں سخت اختلاف ہے مختلف روایات کے مطابق سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے ستر دن دو ماہ چار ماہ چھ ماہ آٹھ ماہ اٹھارہ ماہ بعد وفات پائی اس کے علاوہ اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں۔ جو قول مشہور اور صحیح ہے وہ یہ ہے کہ۔

سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ (منگل) تیسری ماہ رمضان المبارک 11ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔

اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں بقیع شریف میں رات کے وقت مدفون ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ایک قول سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

کہتے ہیں دوسرے دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے شکایت کی ہمیں کیوں خبر نہ کی کہ ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عذر خواہی میں فرمایا۔
 ”میں نے فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وصیت کی بناء پر کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو رات میں دفن کرنا تاکہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں۔“

لوگوں میں یہی مشہور ہے۔

مگر روضۃ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن و عبد الرحمان بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آئے۔

مزار پر انوار

سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ کا مرقد بقیع میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبہ میں ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں۔ بقیع پاک کے تمام مزارات اور قبوں کو نجدیوں نے اپنے دور استبداد 1343ھ میں شہید کر دیا ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نکالا ہی نہ گیا۔ آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور ہے۔

اور دو سزا قول یہ ہے کہ۔

ان کا مزار شریف بقیع کی مسجد میں ہے جو قبہ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرتی کی جانب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بقیع کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت بھی کی ہے۔

بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ بیت الحزن کے نام سے معروف ہے کیوں کہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غم و جدائی کی مصیبت کے زمانہ میں لوگوں کی صحبت سے پریشان ہو کر تنہائی اختیار کر کے اس جگہ قیام پذیر ہو گئی تھی۔ نیز کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک گھر ہے جسے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

الکریم نے بقیع میں لیا تھا (واللہ اعلم)

پہلا قول صحیح اور اخبار و آثار کے موافق ہے۔

مسعودی نے مروج الذهب میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسن امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں کی جگہ میں ایک پتھر ہیں جس پر لکھا ہوا ہے۔

هذا قبر فاطمه بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

سيد نساء العلمين وقبر الحسن بن علي حسين بن علي

وجعفر بن محمد عليهم الحيته والسلام

اس پتھر کا ظہور 330ھ میں ہوا۔

امام المسلمین سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے حصہ میں مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر لوگ مزاحمت نہ کریں تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا اور نہ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن کر دینا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا

علم اہل مدینہ کو ہوا تو تمام مرد اور عورتیں اشکبار ہو گئیں۔ لوگوں پر اس طرح حیرت اور وہشت طاری ہوئی جس طرح سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال ظاہری کے دن طاری ہوئی تھی۔

آیت تطہیر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے پیارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و سلم کے اہل بیت کو ہر پلیدی سے پاک کیا اور انہیں اپنی جناب سے بہت بڑی فضیلت عطا کی۔

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا بیایاں
آئینۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما یزید اللہ لیدھب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم
تطہیراً (احزاب بارہ 22:1:33)

اللہ (عز و جل) تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھر کر دے۔

(کنز الایمان)

اس آیت میں اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ اس سلسلے میں مفسرین کا اختلاف ہے امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) اور تابعین میں سے حضرت مجاہد و قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیر ہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہل بیت سے مراد اہل عبا چادر والے ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دوسری جماعت جس میں حضرت ابن عباس (صحابی) اور حضرت عکرمہ

(تابعی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کا موقف یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد اصحابت المؤمنین ہیں۔

متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شان مبارک میں تشریف لائے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک ران پر بٹھایا پھر ان پر چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔

سید تمام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے چادر اٹھائی تاکہ میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج میں سے خیر پر ہو۔“

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”یہ آیت پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی میرے بارے میں علی، حسنین کریمین اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بارے میں۔“

متعدد حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانہ مبارک کے پاس سے گزرتے تو فرماتے۔

الصلوة اهل البيت

اے اہل بیت! نماز پڑھو۔

پھر آیہ کریم انما یرید ید اللہ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس صبح تک حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے۔

السلام علیکم اهل البيت ورحمته الله و بركاته الصلوة ورحمکم اللہ
”اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔“

پھر آیت مبارکہ انما یرید اللہ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سات ماہ یہ معمول جاری رہا ایک روایت میں آٹھ ماہ سے یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تصریح ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد پنجتن ہے۔

مسلم شریف میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مابلہ نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰ فاطمہ الزہرا، حسن و حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بلایا اور فرمایا۔

فقال اللهم هؤلاء اهل بيتي

الہی یہ میرے اہل بیت ہیں

چونکہ آیت تطہیر میں لیدھب عنکم اور ویطہرکم

مذکر کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ اسکی وجہ سوا اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی نہیں ہیں۔ بلکہ شہزادہ کونین سیدنا حسین کربلا اور بنت رسول سیدہ زہرا، اور شیر خدا اللہ اور سیدنا صدیق و فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب گھر والے ہیں۔ اس لئے تغلیباً سب کے حق میں تطہیر کا وعدہ دینے کے لئے یطہرکم اور لیذهب عنکم فرمادیا تاکہ مرد عورت سب شامل ہو جائیں اور ازواج کے ساتھ اہل بیت اطہار میں سب ہی شمار ہوں یہی حضرت امام ابو منقور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل بیت میں سب داخل ہیں۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
 تم کو مژدہ ناز کا اے دشمنان اہل بیت
 کس زبان سے ہو بیان عز و شان اہل بیت
 مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت
 ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
 آئیہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
 ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
 قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

پنجتن پاک اہل عباء کے کچھ فضائل

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر

وانہ خیر خلق اللہ کلہم

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے علم کی انتہا یہ ہے
آپ انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔“
اللہ تعالیٰ کے قرب اور کمال کی جس مرتبے تک آپ پہنچے وہاں نہ کسی نبی
مرسل کی رسائی ہوئی نہ کسی مقرب فرشتے کی۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کہ ملے نہ کسی کو ملا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

اجلہ ائمہ مثلاً امام فخر الدین رازی اور علامہ ابن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما
وغیر ہمانے تصریح کی ہے کہ اگر تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
فضائل شخص واحد میں جمع ہو جائیں اور ان کا مقابلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے فضائل جلیلہ سے کیا جائے تو آپ کے فضائل ان پر غالب ہوں گے
انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت کا لحاظ ہو یا عموم کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
تمام سے افضل ہیں اور جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے
علی الاطلاق ہیں۔ اسی طرح آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے آپ کی امت تمام
امتوں سے افضل ہے اور آپ کے اہل بیت اور اصحاب تمام اہل بیت اور اصحاب

سے افضل ہیں۔

سچ یہ ہے کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور آپ سے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا مقام نہیں ہے۔

اے رضا خود صاحب قرآن ہیں مداح حضور

تجھ سے پھر ممکن ہے کب مدحت رسول اللہ کی

چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت تمام اہل بیت سے افضل

ہیں ان کے فضائل کے بارے میں قرآنی آیات اور بے شمار احادیث موجود ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فی القربىٰ

تم فرمادو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں تمہیں حکم دیتا ہوں

کہ میرے رشتہ داروں (اہل بیت) سے محبت رکھو۔“

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے در منشور میں بہت سے دیگر مفسرین

نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

نقل کیا ہے۔“

”صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ

کے وہ کون سے رشتے دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی وفاطمہ اور

ان کی اولاد۔“ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) در منشور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ

عنہما فرماتے ہیں کہ ”انصاری صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ اہل بیت

نے ہمارے قول و فعل سے فخر محسوس کیا۔

اس آیت کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے بارے میں وارد ہیں حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ

حضرت حسین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد بہر حال اس آیت میں داخل ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔

سب سے پہلے میں 'فاطمہ اور حسن و حسین جنت میں داخل ہوں گے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے محبین کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا وہ ہمارے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پیچھے ہوں گے۔

ابن نجار اپنی تاریخ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ہر شے کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد صحابہ اور اہل بیت کی محبت ہے۔“ (رضی اللہ عنہم)

حضرت شافع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”قیامت کے دن میں چار قسم کے لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

(1) میری اولاد کی عزت کرنے والا۔

(2) ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا۔

(3) وہ شخص جو ان کے امور کے لئے کوشش کرے؛ جب انہیں اس کی

ضرورت پیش آئے۔

(4) دل اور زبان سے ان کی محبت کرنے والا۔

محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جسے پانچ چیزیں عطا کی گئیں اسے عمل آخرت کے ترک پر سزا نہیں دی

جائے گی۔“

(1) نیک بیوی

(2) نیک بیٹے

(3) لوگوں سے اچھا میل جول۔

(4) اپنے شہر میں اچھی طرح رہائش۔

(5) محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک سے محبت۔“

امام طبرانی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی کہ

میرے اہل بیت کرام کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

”اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ

کے اہل بیت کی محبت اور قرآن مجید پڑھنا۔“

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ کے لئے تین عزتیں ہیں جس نے ان کی حفاظت کی اس نے

اپنے دین و دنیا کے معاملہ کی حفاظت کی، جس نے انہیں ضائع کیا اللہ تعالیٰ اس کی

کسی چیز کی حفاظت نہیں فرمائے گا صحابہ نے عرض کیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا اسلام کی

عزت، میری عزت اور میرے رشتہ داروں کی عزت۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل سے اچھا ہوگا۔“

امام طبرانی وغیرہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”کوئی بندہ (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے، میری

اولاد کو اپنی اولاد سے، میرے اہل کو اپنے اہل سے، میری ذات کو اپنی ذات سے

زیادہ محبوب نہ جانے۔“

حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”میرے اہل بیت اور میری امت سے ان کے محبت حوض پر (انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ وارد ہوں گے۔“

محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔

”ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کیونکہ ہماری محبت والا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔ اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہمارا حق پہچانے بغیر کسی بندے کا عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔“

امام دیلمی راوی ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص وسیلہ چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کی بدولت میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں تو اسے میرے اہل بیت کی خدمت کرنی چاہیے اور انہیں خوش کرنا چاہیے۔“

اجر و ثواب

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔

من یقترب حسنۃ

”جو شخص نیکی کرتا ہے۔“

انہوں نے فرمایا اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں روزی عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی

محبت کے سبب مجھ سے اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”اہل بیت کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“
اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قل لا اسئلكم عليه اجراً

الا المودة فی القربی

تم فرمادو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں تمہیں حکم دیتا ہوں

کہ میرے رشتہ داروں (اہل بیت) محبت رکھو۔“

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کے حوالے سے تفسیر کبیر میں

ایک طویل حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا اس نے

شہادت کی موت پائی، سن لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر

فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے ہیں، خبردار! جو

شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا

جان لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا، اسے پہلے

ملک الموت اور پھر مکر مکبر جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، آگاہ باشید! جو شخص آل

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا، اسے اس اعزاز کے ساتھ جنت

روانہ کیا جاتا ہے، جس طرح دلہن دلہا کے گھر بھیجی جاتی ہے اچھی طرح سن لو! جو

شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا، اس کی قبر میں جنت

کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جان لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا وہ اہل سنت پر فوت ہوا خوب ذہن نشین کر لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرادہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا۔ ”اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید“ خبردار! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرادہ کافر مرادہ کان کھول کر سن لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرادہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا“ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم) امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

”میں کہتا ہوں آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) وہ حضرات ہیں جن کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تعلق آپ سے کامل ترین ہو گا وہی آل ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا تعلق آپ سے نہایت قوی تھا اور یہ نقل متواتر سے معلوم کی طرح ہے لہذا ضروری ہے کہ وہی آل ہوں نیز لوگوں کا آل میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آپ کی امت ہے، اگر ہم آل کو قریبی رشتہ داروں پر محمول کریں تو وہی آل ہیں اور اگر اس امت پر محمول کریں جس نے آپ کی دعوت قبول کی ہے تو بھی وہ آل میں داخل ہیں ثابت ہوا کہ وہ ہر صورت پر آل ہیں اور دوسروں کا آل میں داخل ہونا اختلافی ہے۔

صاحب کشاف روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (قل لا اسئلكم علیہ اجراً) نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا آپ کے وہ رشتہ دار کون سے ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی فاطمہ اور ان کے دو صاحبزادے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ثابت ہوا کہ یہ چاروں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو واجب ہوا کہ وہ مزید تعظیم کے ساتھ مخصوص

ہوں۔ اس پر چند وجوہ دلالت کرتی ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ارشاد الا المودة فی القربی

2- اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا سے محبت رکھتے تھے۔ اور فرمایا۔

”فاطمہ رضی اللہ عنہا میری لخت جگر ہے جو چیز اسے اذیت دیتی ہے مجھے

اذیت دیتی ہے۔“

اور نقل متواتر سے ثابت ہے کہ آپ حضرت علی اور حضرات حسین

کریمین رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے اور جب یہ ثابت ہے تو تمام امت پر ان

کی محبت واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (ترجمہ آیات کریمہ)

1- میری پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

2- ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔

3- تم فرما دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔

4- تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بہترین رہنمائی

ہے۔

(3) آل پاک کے لئے دعا عظیم منصب ہے اسی لئے اس دعا کو نماز میں

التحیات کا خاتمہ بنایا گیا اور وہ یہ ہے اللهم صل علیہ محمد و علی آل محمد یہ

تعظیم آل اطہار کے ماسوا میں نہیں پاؤں جاتی۔

ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت کی محبت واجب ہے۔ امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسین کریمین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ

پکڑا اور فرمایا جس نے مجھ سے ان دو سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی وہ

قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔“

میرے درجہ میں ہو گا اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ (بصورت خادم) اس درجے میں دکھائی دے گا یہ مطلب نہیں کہ اس کا مقام بھی وہی ہو گا۔
امام طبرانی مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس شخص نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد پر کوئی احسان کیا اور اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا، کل قیامت کے دن جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا۔“

امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”کسی آدمی کے قدم چلنے سے عاجز نہیں ہوتے (یعنی موت کے وقت) یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔

(1) تو نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟

(2) تو نے اپنے جسم کو کس کام میں استعمال کیا؟

(3) تو نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟

(4) اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔

امام دیلمی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

”تم میں سے ہل صراط پر بہت زیادہ ثابت قدم وہ ہو گا جسے میرے اہل بیت

اور میرے اصحاب سے شدید محبت ہوگی۔“

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سادات کرام کی عزت و تکریم کرنے پر

عظیم اجر و ثواب ہے۔

سلف صالحین و غیرہم کے تکریم اہل بیت کے چند واقعات

اکابر سلف و خلف اہل بیت کی کمال محبت پر کار بند رہے ہیں، سید اکابر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے“

امام بخاری حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔
”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر اہل بیت کا احترام کرو۔“

ابن علان نے شرح ریاض صالحین میں کہا۔
”مصنف یعنی امام نووی نے کہا اذ قبوا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت کرو، آپ کا احترام کرو اور آپ کی عزت کرو“
امام منادی کہتے ہیں کہ حافظ زرندی نے فرمایا۔

”تمام علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے اہل بیت کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فى القربى
میں کہتا ہوں حافظ زرندی نے علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کی قید اس لئے

لگائی کہ وہ امت کے مقتدا ہیں۔ جب ان کا یہ طریقہ ہے تو کسی مومن کو لائق نہیں کہ ان سے پیچھے رہے کیونکہ وصف ایمان اہل بیت کی محبت کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے، جس قدر ایمان زیادہ وہ گا۔ محبت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی اسی لئے علمائے مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے ان کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا یحییٰ ابن سعید انصاری، عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پر چڑھا اور کہا میرے باپ کے منبر سے اترئے اور اپنے باپ کے منبر پر جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے باپ کا منبر نہیں تھا اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

میں اپنے سامنے رکھی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا، جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھے فرمایا کتنا اچھا ہو اگر آپ گاہے گاہے تشریف لائیں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تنہائی میں مصروف گفتگو تھے اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دروازے پر کھڑے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما واپس ہوئے تو میں ان کے ساتھ واپس آ گیا۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، میں نے کہا امیر المومنین میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ ^{رضی اللہ عنہ} سے گفتگو فرما رہے تھے تو میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آ گیا، انہوں نے فرمایا۔

”آپ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہیں۔ ہمارے سروں کے بال

اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔“
 اس بارے میں مجھے امام جلیل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی
 خاص بات کا علم نہیں ہے لیکن وہ کمال تقویٰ اور وقت نظر کے باوجود یزید کے کفر
 اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ اس کا سبب یہی تھا کہ وہ نبی اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک سے کامل محبت رکھتے تھے اور ان کے نزدیک
 دلیل بھی ثابت ہوگی۔

امام قرشی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد امام محمد بن
 ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک
 کی شدید محبت کی بنا پر اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ وہ پابند سلاسل تھے۔
 اس سلسلے میں انہیں ایسے امور پیش آئے جن کی تفصیل طویل ہے اہل بیت کرام
 سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کج روگمراہوں نے انہیں رخص کی طرف
 منسوب کر دیا حالانکہ وہ اس سے قطعاً بری تھے۔

ابن سبکی اپنی طبقات میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ربیع بن
 سلیمان مرادی سے سند متصل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم امام شافعی رحمۃ اللہ
 علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ امام شافعی جس وادی
 میں اترتے اور جس گھاٹی پر چڑھتے یہ کہتے جاتے تھے۔

”اے سوار! منیٰ کی وادی محصب میں ٹھہر!

اس کی وادی خیف میں کھڑے ہونے اور بیٹھنے والے کو کہہ سحری کے وقت
 جب حجاج کرام دریائے فرات کی متلاطم امواج کی طرح منیٰ کی طرف جائیں۔
 اگر (بالفرض) آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت رخص ہے۔
 تو جن و انس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔“

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اشعار میں اہل بیت کی محبت کے فرض

ہونے کی تصریح کی ہے۔

”اے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت آپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے جس کا حکم قرآن پاک میں نازل فرمایا تمہارے لئے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ تم پر جو شخص درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

علامہ صبان نے فرمایا۔

رحمۃ اللہ علیہ

”مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی اور امام شافعی کے مرجوع قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبت کا حکم دیا ہے۔

وہ ارشاد یہ ہے۔

قل لا اسئلكم علیہ اجرأ الا المودة فی القربی

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی اپنی تصنیف ”مسامرات الاخیار“ میں اپنی سند متصل سے حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض مقتدین کوچ کی بڑی آزر دتھی انہوں نے فرمایا۔

”مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حجاج کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا۔ اپنی آستین میں پانچ سو دینار ڈالے اور بازار کی طرف نکلا تا کہ حج کی ضروریات خرید لاؤں میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں سید زادی ہوں۔ میری بچیوں کے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیئے اور انہیں کہا آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور واپس آ

کیا اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔ دوسرے لوگ چلے گئے حج کیا اور واپس آئے میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انہیں سلام کر آؤں چنانچہ میں گیا جس دوست سے ملتا ہے سلام کہتا اور کہتا اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش کی جزائے خیر عطا فرمائے تو وہ مجھے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج بھی قبول فرمائے، کئی دوستوں نے اسی طرح کہا، رات کو سویا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی جو مبارک باد دے رہے ہیں اس پر تعجب نہ کرتے، تم نے ایک کمزور اور ضرور تمند کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ہو بہو تجھ جیسا فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کرے گا۔ اب اگر چاہو تو حج کرو اور اگر چاہو تو حج نہ کرو۔“

شیخ زین الدین عبدالرحمان خلال بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھے تیمور لنگ کے ایک امیر نے بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض موت میں مبتلا ہوا تو ایک دن اس پر سخت اضطراب طاری ہوا منہ سیاہ ہو گیا اور رنگ بدل گیا، جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اسے صورت بیان کی تو اس نے کہا میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ”اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کی خدمت کرتا تھا چنانچہ وہ چلے گئے۔“

شمس الدین محمد بن حسن خالدی فرماتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے پاس تیمور لنگ کو دیکھا اس ساتھی نے کہا اے دشمن خدا تم یہاں پہنچ گئے ہو؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے محمد بن حسن! اس کا سبب یہ ہے کہ یہ میری اولاد

سے محبت رکھتا تھا۔“

ابوالفرح اصفہانی، عبید اللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ ابن سعید نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ بن حسن رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا، ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں پھر ان کے جسم کے ایک بل کو پکڑا کر اتنا دبایا کہ انہوں نے تکلیف محسوس کی اور فرمایا شفاعت کرنے کے لئے اسے یاد رکھنا، جب وہ تشریف لے گئے تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کی اور کہا آپ نے ایک نو عمر بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا انہوں نے فرمایا مجھے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سن رہا ہوں، آپ نے فرمایا۔

”فاطمہؓ میری لخت جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے“

اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے سے کیا ہے اس سے خوش ہوتیں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے جو ان کے پیٹ کی چٹکی لی ہے اور جو کچھ آپ نے انہیں کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا

”بنو ہاشم کا ہر فرد شفاعت کرے گا، مجھے توقع ہے کہ مجھے ان کی شفاعت حاصل ہوگی۔“

انہی حضرت عبد اللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ میں کسی کام سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا انہوں نے فرمایا جب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو تو پیغام بھیج دیا کریں یا تحریر فرمادیا کریں مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں آپ کو اپنے دروازے پر دیکھوں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم بن عبد اللہ محض ابن حنی ثنی بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازماً ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قید و بند درحقیقت اسی سبب کی بنا پر تھی، اگرچہ بظاہر سبب یہ تھا کہ آپ نے منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امام اہل مدینہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم بن زید بن علی زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے اسی لئے کئی سال مخفی رہے، بعض نے کہا کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے ابراہیم بن عبد اللہ محض کی حمایت کی تھی اور امام مالک نے ان کے بھائی حضرت محمد کی حمایت کی تھی۔ (رضی اللہ عنہم)

ائمہ سے روایت کی کہ وہ سادات کرام کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، سادات میں ایک شخص تھا جسے مطیر کہا جاتا تھا وہ اکثر لہو و لعب میں مصروف رہتا تھا جب وہ فوت ہوا تو اس وقت کے عالم نے اس کا جنازہ پڑھنے میں توقف کیا تو انہوں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ کے ہمراہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں انہوں نے اس عالم سے اعراض کیا، جب اس نے درخواست کی کہ مجھ پر نظر رحمت فرما میں تو حضرت خاتون جنت اس کی طرف متوجہ ہوئیں، اس پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

”کیا ہمارا مقام مطیر کے لئے کفایت نہیں کر سکتا؟“

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے قاضی القضاة غرالدین عبدالعزیز بن عبدالعزیز بکری بغدادی حنبلی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی میں موجود ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ قبر مقدس کھلی اور اس میں سے نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تشریف فرما ہوئے آپ نے اسی طرح کفن زیب تن فرمایا ہوا تھا مجھے دست اقدس سے قریب آنے کا اشارہ کیا میں اٹھا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا مجھے فرمایا موید کو کہو کہ عجلان کو رہا کر دے۔

میں بیدار ہوا اور حسب معمول سلطان موید کی مجلس میں پہنچ گیا اور متعدد دبار قسم کھا کر اسے بتایا کہ میں نے کبھی عجلان کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میری اس سے شناسائی ہے اس کے بعد میں نے واقعہ بیان کیا بادشاہ چپ رہا میں بھی بیٹھا رہا یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی بادشاہ اپنی مجلس سے اٹھا اور قلعہ کے تہ خانے میں گیا اور اتنی دور جا کر ٹھہر گیا جتنی دور زور سے پھینکا ہوا تیر جا کر گرتا ہے پھر امیر مدینہ سید عجلان حسینی کو قید خانے سے بلایا اور رہا کر دیا۔

علامہ مقریزی نے کہا سید سردار ابن مقبل حسینی نے اپنے باپ مقبل کو ۸۲۵ھ میں گرفتار کیا جو کہ بیخ کے امیر تھے ان کی جگہ ان کے بھتیجے کو امیر مقرر کر دیا گیا، مقبل کو گرفتار کر کے اسکندریہ لے جایا گیا وہیں قید میں ان کا وصال ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان کے اسی بیٹے سردار کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھر وادی گئیں حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ گئے اور دماغ متورم اور متعفن ہو گیا وہ ایک مدت تک قاہرہ کے باہر رہے اس وقت وہ نابینا ہی تھے پھر وہ مدینہ طیبہ گئے اور اپنے جدا امجد حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مزار مبارک کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تکلیف کی شکایت کی روئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی واپس آ کر رات کو سوئے تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جاں افروز سے مشرف ہوئے آپ نے اپنا دست اقدس ان کی آنکھوں میں پھیرا بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی تھی یہ خبر اہل مدینہ میں مشہور ہو گئی ایک عرصہ تک ان کے پاس رہے پھر قاہرہ واپس چلے آئے۔

بادشاہ ملک اشرف برسباری کو ان کی آمد کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بیٹا ہیں بادشاہ نے انہیں گرفتار کر لیا اور قبیلہ مزینہ کے ان دو افراد کو طلب کیا جنہوں نے سرداح کی آنکھوں میں گرم سلایاں پھیری تھیں اور ان دونوں کو بری طرح مارا انہوں نے بادشاہ کے سامنے تسلی بخش گواہ پیش کئے جنہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے سلائی گرم کی گئی اور ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ سرداح کی آنکھوں میں پھیر دی گئی یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ نکلے تو بادشاہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

اسی طرح اہل مدینہ نے بتایا کہ ہم نے سرداح کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ڈھیلے غائب تھے پھر ایک صبح دیکھا کہ وہ اچھے بھلے بیٹا تھے اور سرداح نے انہیں اپنے خواب کا واقعہ کا بیان کیا تھا بادشاہ نے سرداح کو رہا کر دیا ۸۳۳ھ کی طاعون میں ان کا وصال ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ عنہ

شیخ عددی نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں ابن جوزی کی تصنیف ملقط سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی ایک زوجہ اور چند بیٹیاں تھیں۔ قضاء الہی سے وہ شخص فوت ہو گیا ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں شامت اعداء کے خوف سے سمرقند چلی گئی میں وہاں سخت سردی میں پہنچی میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں داخل کیا اور خود خوراک کی تلاش میں چل دی میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہ رئیس شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حال زار بیان کیا اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ میں واپس مسجد کی طرف چل دی میں نے راستے میں ایک بوڑھا بلند جگہ بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے چنانچہ

میں اس کے پاس پہنچی، اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا بیان کیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

اس نے اپنے خدام کو بلایا اور کہا اپنی آقا (یعنی میری بیوی) کو کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آئے چنانچہ وہ آئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں بوڑھے نے اسے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آؤ، میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ کا انتظام کیا، ہمیں بہترین کپڑے پہنائے، ہمارے غسل کا انتظام کیا اور ہمیں طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

آدھی رات کے وقت رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور لواء الحمد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر انور پر لہرا رہا ہے آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا۔ اس نے عرض کیا حضور آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالانکہ میں مسلمان ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو، جو شخص حیرت زدہ رہ گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس علوی عورت کو جو کچھ کہا تھا اسے بھول گیا؟ یہ محل اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا، اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا، اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے۔ یہ رئیس اس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے، رئیس نے کہا اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو اور اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا بخدا ایسا نہیں ہو سکتا، اگرچہ تم لاکھ دینار

بھی دو؛ جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اسے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے تم اس سے لئے مجھ پر فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو، بخدا وہ علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو ہم سب ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو آپ نے مجھے فرمایا چونکہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے ہے اور تم جنتی

ہو۔ ۸

سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں سید شریف نے حضرت خطاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف السیرہ نے ایک سید کو مارا تو اسے اسی رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا کیا گناہ ہے؟ فرمایا تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو، آپ نے فرمایا کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟ اس نے عرض کیا ہاں، فرمایا تیری ضرب میری ہی کلائی پر لگی ہے، پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر درم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے رئیس شمس الدین محمد بن عبد اللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے محتسب (گورنر) تھے وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سید عبدالرحمان طباطبائی موزن کے گھر تشریف لے گئے ان سے اجازت طلب کی وہ

اپنے گھر سے باہر آئے تو انہیں محتسب کے ان کے ہاں آنے پر حیرت ہوئی وہ انہیں اندر لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سید عبدالرحمان کے سامنے اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو قاضی جمال الدین نے کہا حضرت مجھے معاف کر دیجئے انہوں نے پوچھا جناب کیوں معاف کر دوں؟ انہوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ بیٹھ گئے میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے فرمایا محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے؟ یہ سن کر سید عبدالرحمان رو پڑے اور کہا جناب میں کون ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یاد فرمائیں یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں سب نے سید صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آ گئے۔

سیدی محمد فاسی ^{رحمۃ اللہ علیہ} فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسنی سادات کو ناپسند رکھتا تھا کیونکہ بظاہر ان کے افعال سنت کے مخالف تھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا اے فلاں! کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو، میں نے عرض کیا خدا کی پناہ! یا رسول اللہ! میں تو ان کے خلاف سنت افعال کو ناپسند رکھتا ہوں فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے ملحق ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے، جب میں بیدار ہوا تو ان میں سے جس سے بھی ملتا اس کی بے حد تعظیم کرتا۔

علامہ ابن حجر ^{رحمۃ اللہ علیہ} مکی تمیمی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بارے میں فرمایا۔

فان عصوك فقل انى برى مما تعملون

”اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو انہیں فرما دو میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔“

حق قرابت اور تعلق نسب کی بناء پر یہ نہیں فرمایا کہ میں تم سے بری ہوں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عراق کا ایک امیر سادات سے شدید محبت رکھتا تھا اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا تھا اس کی مجلس میں جب کوئی سید موجود ہوتا تو انہیں سب سے آگے بٹھاتا اگرچہ وہاں ان سے زیادہ مالدار اور بڑے مرتبے والا دنیا دار موجود ہوتا۔ ایک دفعہ ایک سید اس امیر کی مجلس میں آئے اس وقت وہاں ایک بہت بڑا عالم موجود تھا سید صاحب کو بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملی وہ اس عالم سے اونچی تھی وہ اس جگہ بیٹھ گئے وہ اس کے مستحق بھی تھے اور جانتے تھے کہ امیر اس سے راضی ہو گا۔ اس سے عالم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے نامناسب گفتگو شروع کر دی امیر نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور دوسری بات شروع کر دی۔

کچھ دیر بعد جب یہ معاملہ بھول گیا تو امیر نے اس عالم کے بیٹے کے متعلق پوچھا جو تحصیل علم میں مصروف تھا اس عالم نے کہا وہ متون یاد کرتا ہے اسباق پڑھتا ہے اس نے یہ پڑھا ہے وہ پڑھا ہے اس کا ایک سبق صبح کے وقت مقرر ہے ایک سبق دوسرے وقت پر معین ہے اسی طرح اس کے دیگر حالات بیان کرتا رہا امیر نے کہا کیا تو نے اس کے لئے ایسا نب بھی مہیا کیا ہے اور اسے ایسی شرافت بھی سکھائی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو جائے عالم اپنی حرکت فراموش کر چکا تھا اس نے کہا یہ فضیلت فراہم کرنے اور سکھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں ہے امیر نے بڑے زور سے کہا خبیث! جب تجھے یہ بات معلوم ہے تو

نے سید صاحب کے اونچی جگہ بیٹھنے کو کیوں ناگوار محسوس کیا، بخدا! آئندہ تم میری مجلس میں نہیں آؤ گے پھر حکم دیا اور اسے وہاں سے نکلوا دیا۔

سادات (اہل بیت) سے بغض رکھنے پر وعید

ہمارے زمانے میں بھی ایسے گمراہوں کی کمی نہیں ہے جو اہل بیت نبوت و معدن رسالت سے نفرت رکھتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلف صالحین علماء امت یا اولیائے امت نے جو اہل بیت کے امتیازی فضائل و مناقب بیان کئے ہیں انہیں سن کر ان کی پیشانیوں پر شکن پڑ جاتے ہیں ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور وہ زبان حال سے اس امر کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ فضائل انہیں نہ دیئے گئے ہوتے اور کبھی کمزور اقوال، موضوع روایات اور خود ساختہ آثار پیش کرنے کا تکلف کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل فرمانے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند رکھیں۔

اب ہم چند ایک احادیث و روایات بیان کریں گے جس میں (اہل بیت) سے بغض و کینہ رکھنے پر منع فرمایا گیا ہے اور اہل بیت سے بغض و کینہ اور عداوت رکھنے والے پر اللہ عزوجل اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غضب ناک ہوئے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اہل بیت سے پیش آنے کے بارے میں میری وصیت سن لو کیونکہ میں ان کی طرف سے قیامت کے دن تم سے جھگڑا کروں گا اور جس سے میں مخالفت

کروں گا اللہ تعالیٰ اسے مغلوب فرمادے گا۔

اور جسے اللہ تعالیٰ مغلوب فرمائے اسے جہنم میں داخل فرمادے گا۔

اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک کونے اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔“

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی کہ قریش ہم سے بے رخی کا مظاہر کرتے ہیں اور ہمارے آنے پر اپنی گفتگو منقطع کر دیتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے حتیٰ کہ رخ انور گلگلوں ہو گیا اور دونوں مبارک آنکھوں کے درمیان رگ بھر آئی اور فرمایا۔

”ان لوگوں کا کیا حال ہے جو گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سلسلہ گفتگو منقطع کر دیتے ہیں! بخدا! کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو گا مگر اس وقت کہ انہیں میری رشتہ داری کی بنا پر محبوب رکھے (ایک روایت میں ہے) اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی انسان کے دل میں ایمان اس وقت ہی داخل ہو گا جب تمہیں خدا اور رسول کے لئے محبوب رکھے۔“

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً (یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد) روایت کیا۔

”جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے“

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس شخص نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور مجھے میری عزت پاک کے

بارے میں اذیت دی اس پر جنت حرام کر دی گئی۔“

امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 ”میں نے سات قسم کے لوگوں پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مقبول
 ہوتی ہے ان میں سے آپ نے اس شخص کو شمار کیا جو آپ کی اولاد کے
 ساتھ وہ معاملہ جائز سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔“
 ابن عدی اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 جو شخص میری عترت طیبہ اور انصار کو نہیں پہچانتا (یعنی تعظیم نہیں
 کرتا) تو اس کی تین میں سے کوئی ایک وجہ ہوگی یا تو وہ منافق ہے یا ولد الزنا ہے یا
 جب اس کی ماں اس سے حاملہ ہوئی ہوگی تو وہ پاک نہیں ہوگی۔“
 امام طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
 راوی ہیں وہ فرماتے ہیں۔

”ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا میں نے
 آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو! جو شخص ہم اہل بیت کو مبغوض رکھے گا
 اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اسے یہودی بنا کر اٹھائے گا۔“
 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 ”ہم اہل بیت کو کوئی شخص مبغوض نہیں رکھے گا مگر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں
 داخل فرمائے گا۔“

یہ حدیث امام حاکم نے روایت کی اور اسے شرط شیخین پر صحیح قرار دیا۔

سادات کرام کی عزت و تکریم ہر صورت لازم ہے

اگر کوئی سادات کرام میں سے بے عمل ہے تو پھر بھی اس کی تعظیم و توقیر لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی تقصیرات سے ضرور درگزر فرمائے گا۔ یا اللہ عز و جل انہیں موت سے پہلے خالص توجہ کی توفیق عطا فرمادے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے۔

انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس
اہل البیت ویطہرکم تطہیراً

(33:1:22)

اللہ (عز و جل) تو ہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (کنز الدایمان)
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے میرے اہل بیت! میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے تین چیزوں کی دعا کی ہے۔“

1- تمہارے باعمل کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔

2- تمہارے بے راہ کو ہدایت عطا فرمائے۔

3- تمہارے بے علم کو علم عطا فرمائے۔“

نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عايشان ہے۔

”بے شک فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت

کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو آگ پر حرام فرمادیا۔“

اس کے علاوہ کئی روایات اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر جنت میں جائیں گی۔

بے عمل یا بظاہر گناہگار سادات کرام کی عزت اس کی بے عملی یا اس کے فسق

کی بناء پر نہیں بلکہ اس کے پاک اصل اور مبارک نسب کی بناء پر ہے اور یہ نسبت

نیک کی طرح بد میں بھی موجود ہے اہل بیت میں سے کسی کا بے عمل و بد ہونا اس کو

بیت نبوت سے خارج نہیں کرتا۔ وہ ایسے انسان ہیں جو معصوم نہیں ہیں لہذا یہ

بد عملی اور فسق ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہوگا۔ اگرچہ ان کے رفیع القدر

مرتبہ کے لئے عیب ہے اور صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔

مقریزی نے فرمایا کہ مجھے شیخ کامل یعقوب بن یوسف قرشی مکناسی نے بیان

کیا کہ مجھے ابو عبد محمد فاسی نے بتایا کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض سادات سے بغض

رکھتا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ خلاف سنت افعال کے مرتکب ہیں ایک

دن میں مسجد نبوی میں روضہ مبارک کے سامنے سو گیا مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے مجھے میرا نام لے کر فرمایا کیا بات ہے کہ میں

دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ مجھے نے عرض کیا یا رسول اللہ

صلی اللہ علیک وسلم! خدا کی پناہ! میں انہیں ناپسند نہیں رکھتا۔ مجھے سنت کے خلاف

ان کا عمل ناپسند ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا فقہی مسئلہ نہیں ہے

کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ نافرمان اولاد ہے۔“ میں بیدار ہوا تو نیرے دل سے ان

کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جس کسی ملتا اس کی خوب عزت

و تکریم کرتا تھا۔ لا حسبہ اللہ العالی

اے سید گرامی اے شہزادہ شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ

فرمائیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل سنت سے تعصب رکھنے والے کو نافرمان، بچہ فرمایا سب جانتے کہ والدین کوئی سے بھی ہوں ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ جس کے جد کریم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں ان کے حقوق کے بارے میں کیا خیال ہے؟

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

”جس شخص کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو۔ اسکا بڑا جرم اور دیانت اور پرہیزگاری سے عاری ہونا اسے نسب عالی سے خارج نہیں کر دے گا اسی لئے بعض محققین نے فرمایا (غلام خواستہ اگر) کسی سید زادے سے زنا شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد (سزا) جاری کر دیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں میں غلاظت لگ گئی ہے اور اس کا کوئی خادم اس دھو ڈالے۔“

اس سلسلے میں سلطان العارفين امام الصوفیہ شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”جب تجھے بارگاہ الہی میں اہل بیت کا مقام معلوم ہو چکا اور یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی مسلمان کو ان سے صادر ہونے والے کسی فعل پر مذمت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک فرمایا ہے اب یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جو شخص ان کی مذمت کرتا ہے وہ مذمت اسی کی طرف لوٹتی ہے اور اگر وہ اس پر ظلم کریں تو وہ اس کے گمان میں ظلم ہے، درحقیقت ظلم نہیں ہے، اگر ظاہر شریعت ان پر حق کی ادائیگی کا حکم کرے ان کا ہم پر زیادتی کرنا ایسا ہی ہے جیسے تقادیر الہیہ ہم پر جاری ہوتی ہیں، تقادیر الہی کے مطابق جس شخص کے جان و مال ڈوبنے، جل جانے یا ایسے

ہی دیگر مہلک امور کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی عزیز جل جائے یا ہلاک ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تمام صورتیں اس کے دلی مقصد کے مطابق نہیں ہیں لیکن اسے یہ جائز نہیں کہ وہ قضا و قدر کی برائی کرے اسے چاہیے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو صبر کرے اور سب سے بلند مقام یہ ہے کہ شکر کرے کیونکہ اس میں مصیبت زدہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت نعمتیں ہیں۔ ان مذکورہ صورتوں کے ماسوا میں کوئی بہتری نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں کے ماسوا میں تنگدلی، ناپسندیدگی، ناراضگی اور بارگاہ الہی میں بے ادبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح اہل بیت کرام کی طرف سے جس مسلمان کے جان و مال، عزت، اہل و عیال اور احباب پر کوئی زیادتی ہوئی ہو اسے رضا، تسلیم اور صبر سے کام لینا چاہیے، ہرگز ان کی برائی نہ کرے اگرچہ شریعت کے مقرر کردہ احکام ان پر لاگو ہوں گے لیکن اس سے ان کی مذمت کی ممانعت میں فرق نہیں آتا، یوں سمجھنا چاہیے کہ تقدیر الہی اسی طرح تھی ہم نے ان کی مذمت کی ممانعت اس لئے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فضیلت سے ممتاز کیا ہے جس میں ہم ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ ۶

جہاں تک احکام شرعیہ کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے قرض لیتے تھے اور جب وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تو بہترین انداز میں ادا فرماتے اور جب ایک یہودی نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی تو فرمایا اسے چھوڑ دو! صاحب حق ایسی باتیں کیا ہی کرتا ہے ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم بھی چوری کریں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے کاموں سے محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے جس طرح اور جس حال پر چاہتا ہے احکام صادر فرماتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت نہیں فرمائی اس وقت گفتگو ہمارے حقوق میں ہے ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم ان سے مطالبہ کریں حالانکہ ہمیں اختیار ہے چاہیں تو لے لیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں افضل تو یہ ہے کہ ہم عام آدمی سے بھی حق طلبی نہ کریں اس بنا پر کوئی ہماری مذمت نہیں کر سکتا اہل بیت کرام کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہونا چاہیے۔

اہل بیت کرام نے اگر ہمارا کوئی حق لے لیا اور ہم اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور انہیں معاف کر دیا تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑی نعمت اور قرب کا مقام ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احکام خداوندی ہم تک پہنچانے پر ہم سے سوائے اپنے رشتے داروں کی محبت کے اور کچھ طلب نہیں کیا اور اس میں صلہ رحمی کا راز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مطالبہ فرمایا ہے قدرت کے باوجود جو شخص اسے پورا نہیں کرتا قیامت کے دن بارگاہ رسالت میں کیا منہ لے کر جائے گا اور کیونکر آپ کی شفاعت کی امید رکھے گا حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو رشتے داروں کی محبت کا حکم دیا تھا اسے پورا نہیں کیا (یہ تو عام رشتے داروں کی بات ہے) اہل بیت کا کیا مقام ہو گا جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

قرآن پاک میں مودت کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے محبت پر ثابت قدم رہنا جسے کسی چیز کی مودت ہو اسے ہر حال میں محبوب رکھتا ہے اور جب ہر حال میں مودت و محبت حاصل ہو تو اگر اہل بیت نے اس کا حق لے لیا ہے تو مطالبے کا حق رکھنے کے باوجود ازراہ محبت ان سے باز پرس نہیں کرے گا اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دے گا اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہیں دے گا محبت صادق نے کہا محبوب کا ہر فعل محبوب ہے ایک اور شخص نے کہا۔

میں محبوبہ کی وجہ سے کالے رنگ والوں سے بھی محبت رکھتا ہوں اس کی وجہ سے میں سیاہ کتوں سے بھی محبت رکھتا ہوں۔
ہم نے یہی مفہوم اس طرح ادا کیا ہے۔

میں تیری محبت کے سبب تمام حبشیوں کو محبوب رکھتا ہوں اور تیرے نام ہی کے سبب میں چودھویں کے چاند سے محبت رکھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ مجنوں (قیس عامری) کے ساتھ سیاہ کتے بود و باش اختیار کرتے تھے اور وہ ان سے محبت رکھتا تھا (کیونکہ لیلیٰ بھی سیاہ فام تھی) جس محبوبہ کی محبت وجہ سعادت اور قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں تھی اس کے محبت کا یہ حال ہے اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ محبت میں سچا تھا اور محبت اس کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی۔

اگر تجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت حاصل ہے تو تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھے گا اور تیری طبیعت اور خواہش کے خلاف جو امر ان سے تیرے حق میں سرزد ہو گا اسے تو ان کی ادائے دلبری سمجھے گا اور چونکہ ان سے تیری محبت خدا کے لئے ہوگی اس لئے تو اس بات کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا۔ اس کے محبوبوں اہل بیت کرام سے تیرا تصور کیا اور تیرا ذکر کیا اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا کہ انہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی پاک کی ہوئی زبانوں سے یاد کیا جن کی پاکیزگی تک تیرا علم نہیں پہنچ سکتا۔

تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف محتاج ہے اور آپ کا تجھ پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آپ کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی۔ جب ہم تمہیں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کا بے ادب پائیں تو ہمیں تمہاری اس بات کا کس طرح اعتبار ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہم سے شدید محبت ہے اور

تم ہمارے حقوق کی بڑی رعایت کرتے ہو تمہارا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا گستاخ ہونا اس بنا پر ہے کہ تمہارا ایمان کمزور ہے تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے اور وہ تجھے آہستہ آہستہ اس طور پر جہنم کی طرف دھکیلتا ہے کہ تجھے خبر نہیں۔

خفیہ تدبیر کا طریقہ یہ ہے کہ تو کہتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں اپنا وہ حق طلب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جائز فرمایا ہے اور اس جائز طلب کے ضمن میں مذمت، بغض، عداوت اور اپنے آپ کو اہل بیت پر ترجیح دینا پایا جاتا ہے حالانکہ تجھے اس خفیہ تدبیر کا پتا نہیں۔

اس مہلک مرض کا شافی علاج یہ ہے کہ تو ان کے مقابل اپنا کوئی حق نہ جان اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا کہ مطالبے کے ضمن میں مذکورہ چیزیں نہ آ جائیں تو مسلمانوں کا حاکم نہیں ہے کہ تجھ پر حد کا قائم کرنا مظلوم کا انصاف اور حق کا صاحب حق کے سپرد کرنا لازم ہو اور اگر تو حاکم ہے اور محکوم علیہ اہل بیت میں سے ہے تو کوشش کر کہ صاحب حق اپنا حق چھوڑ دے، اگر وہ نہ مانے تو تجھ پر لازم ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کا حکم جاری کر! اے دوست! اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر منکشف فرمادے کہ قیامت کے دن بارگاہ الہی میں اہل بیت کا کیا مقام ہو گا تو تو آرزو کرے گا کہ ان کے غلاموں کا غلام بن جائے اللہ تعالیٰ ہمیں رشد و ہدایت بقا فرمائے۔

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا۔

اقطاب کے اسرار میں سے یہ ہے کہ وہ اہل بیت کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ ان کی بلندی درجات کو جانتے ہیں، ان کے اسرار میں سے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا جاننا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں سے فرمائی جو اہل بیت سے

عداوت رکھتے ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کا فرمان ہے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو، خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت میں سے ہیں اہل بیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے جس حکم پر عمل کرنے کا مطالبہ فرمایا تھا، اکثر لوگوں نے اسے پورا نہیں کیا اور خدا اور رسول (زوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی، ہاں انہیں صرف ان حضرات اہل بیت سے محبت ہے جنہوں نے ان پر احسان کیا، یہ اپنی اغراض سے محبت ہوئی اور اپنے آپ سے عشق ہوا (نہ کہ اہل بیت کرام سے)“

(شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت ختم ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم و برکات سے نفع عطا فرمائے)

اہل محبت کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت اسی طرح واجب ہے جس طرح دوسروں پر ان کی محبت واجب ہے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا
(حدائق بخشش)

سیدی عبدالوہاب شعرانی مؤمن کبریٰ میں فرماتے ہیں۔
”مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں، میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں اسی طرح علماء و اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں اگرچہ وہ متقی نہ ہوں پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو

سکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر اہل مرتبے اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں اسی طرح کسی سید زادی سے نکاح نہ کریں ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ان کی تعظیم کا حق واجب ادا کر سکتا ہوں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتا ہوں (تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے) لیکن ان کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور نہ ہی کینیز خریدے (تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو) ہم اپنی قدرت کے مطابق انہیں خوراک اور لباس مہیا کریں گے اس میں کمی نہیں کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ کے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ہے (کہ اخراجات حسب استطاعت ہوں)

اسی طرح جب وہ ہم سے کسی جائز خواہش کا اظہار کریں تو ہم اسے پورا کریں گے جب وہ کھڑی ہوں تو جوتے ان کے آگے رکھیں گے اور جب وہ ہمارے پاس آئیں تو ہم ان کے احترام کے لئے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد پاک میں سے ہیں اگرچہ خرید و فروخت کا موقع ہو ہم کسی سید زادی کے بدن کی طرف نہیں دیکھیں گے ہاں یہ الگ صورت ہے کہ ہم پر شرعاً عالم ہو جائے مثلاً علاج معالجہ کے وقت اگر ہم سے کوئی جوتے بیچتا ہے تو ہم ان کے تہ بند یا شلوار کی طرف نہیں دیکھیں گے کیونکہ یہ بات ان کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہو گی۔“

علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”البحر المورود فی الموائق والعہود“ میں فرماتے ہیں۔

”ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سید زادی سے نکاح نہ کریں مگر اس

وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جب میں نے ان کی نافرمانی کی تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے جو شخص تبرک کے لئے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ سلامتی، غنیمت سے مقدم ہے (یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کا حق ادا نہ ہو سکے اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے) خصوصاً جب ان کے بعد کسی اور عورت سے نکاح کر لے یا کنیز خرید لے یا اپنے بخل اور خست سے انہیں تکلیف دے رہا برکت حاصل کرنے کا مسئلہ تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدہ کے حق کی ادائیگی اور ان کی صحیح تعظیم وہی کر سکتا ہے جس کا نفس مرچکا ہو، دنیا سے بے رغبتی کے مقام پر فائز ہو اور اس کا دل نور ایمان سے اس طرح منور ہو کہ اس کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد اپنے اہل اولاد اور مال سے زیادہ محبوب ہو کیونکہ جو چیز سادات کو تکلیف دے گی وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذیت کا باعث ہوگی، سیدی علی خواص اس شخص کو منع کرتے تھے جو سیدہ کی طرف اس حالت میں دیکھتا کہ انہوں نے جو تابتہ بند اور نقاب پہنا ہوا ہو اور دیکھنے والے کو فرماتے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شخص تمہاری بیٹی کے تبتہ بند کی طرف دیکھے تو تمہیں تشویش ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشویش ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایماندار کو چاہیے کہ جب کسی سیدہ سے خرید و فروخت کرے یا ان کا فصد کرے یا ان کا علاج کرے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی خجالت اور حیاء کے ساتھ یہ کام انجام دے، بالخصوص جوتے بیچنے والے کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

جان برادر! اگر تو احکام شریعہ پر سختی سے کاربند ہے اور تمہیں ان کی طرف دیکھے بغیر چارہ نہیں ہے مثلاً ان کے بارے میں گواہی دینا ہے تو چاہیے کہ تو پہلے صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دل میں اجازت طلب کر پھر ان کی طرف نظر کر اور اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد سے کائنات کی محبت ہے تو وہ تم سے جو چیز خریدنا چاہیں، انہیں بطور ہدیہ پیش کر دے۔“

پھر حضرت علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی فقیر سید اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس بائیں کے مہر اور صبح و شام کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انہیں مایوس نہ کریں، کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن فقراء اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے، تو جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے جو شخص فقیر سید کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دے اس پر خداوندی ناراضگی کا خوف ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز اور محمود ہے۔“

اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سید یا سیدہ کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انہیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے، کھانا یا کپڑے پیش کریں یا انہیں پیش کش کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجئے تاکہ حسب استطاعت ان کی ضروریات شریعہ پوری کی جائیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے یہ امر

کس قدر قبیح ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے، وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں اور یہ شخص انہیں کچھ پیش نہ کرے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

(یہ علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام تھا انہی کے الفاظ میں)

یہ تمام تفصیل اس شخص کے بارے میں ہے جس کی سیادت یقینی ہے جس شخص کی سیادت مشکوک ہو۔ اگر اس کا نسب شرعی ثابت ہے تو اس کی سیادت کے پیش نظر ہر شخص پر اس کی تعظیم واجب ہے اور شرعی طور پر اس کی ناپسندیدہ خصالتوں پر انکار لازم ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سیادت سے یہ لازم نہیں کہ فسق نہ پایا جائے اور اگر شرعاً اس کا نسب ثابت نہیں ہے لیکن وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ معلوم نہیں تو اس کی تکذیب میں خاموشی اختیار کی جائے گی کیونکہ لوگ اپنے انساب کے امین ہیں۔ لہذا اس کا حال اس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ جو انسان بیچ سکتا ہے۔ اس کو زہر نہیں پینا چاہیے۔ جب لوگ کسی ولی کی طرف منسوب لوگوں کا احترام کرتے ہیں تو اس نسبت کے سبب ان افراد کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انتہائی تحقیقی کلام ہے۔ اگر کسی کا نسب شرعاً ثابت نہیں اور وہ اس کا دعویدار ہے تو اس بارے میں عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بہترین ارشاد یہ ہے۔

”اے بھائی ہمارا اس سید کی عزت کرنا جس کی سیادت کے صحیح ہونے میں طعن کیا گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صحیح المنسب سید کی تعظیم سے زیادہ مقبول ہے کیونکہ صحیح المنسب سید کی تعظیم کرنا کسی کے لئے اتنی بڑی فضیلت نہیں ہے جتنی کہ بغیر ثابت المنسب سید کی محض نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بناء پر تعظیم کرنے میں فضیلت ہے۔“

(المحرمورود)

امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمان سادات کرام کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ فرماتے ہیں اگر قاضی کسی جرم کی پاداش میں اگر کسی سید زادے پر حد شرعی جاری کر دے (یعنی سزا دے) بھی تو اس وقت یہ نیت کرے کہ ”شہزادے کے پاؤں میں کچھڑ لگ گیا ہے۔ میں اس کو دھورہا ہوں۔

ہمارے پیارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات کرام کی اس قدر عزت و تعظیم فرماتے تھے سچ ہے جس سے بھی محبت ہوتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے محبت ہو جاتی ہے چونکہ سادات کرام سرکار مدینہ سرور قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہیں لہذا ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ ان شہزادوں میں سے کسی سے بالفرض اگر کوئی خطا بھی سرزد ہو جائے تو اس بناء پر ہر گز ہر گز کسی سید زادے سے کراہیت نہیں کرنی چاہیے ہاں اس فعل بد کو ضرور دل میں برا جائیں اور احسن طریقے سے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عمرت پہ لاکھوں سلام

اور جتنے ہیں شہزادے اس شاہ کے
ان سب اہل مکانت پہ لاکھوں سلام

ان کی بالا شرافت پہ اعلیٰ درود
ان کی والا سیادت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

زوج بتول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) امیر المؤمنین مولائے کائنات علی المرتضیٰ

کرم اللہ وجہہ الکریم

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نسبت ہونے کی وجہ سے ان کے شوہر نامہ ار حیدر کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی مختصر بیان کئے جاتے ہیں۔

آپ کا نام نامی علی کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ شریف کے اندر ۳۱ رجب ۳۰ عام الفیل کو (اظہار نبوت سے دس سال اور ہجرت نبوی سے ۲۳ سال قبل) جمعۃ المبارک کے دن مکہ معظمہ میں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے نام علی رکھا۔

آپ کے والد بزرگوار ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمنفی ہیں۔ با اعتبار نسب آپ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں آپ کی کنیت ابو تراب اور لقب حیدر کرار ہے۔

آپ کی تربیت تمام و کمال حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش رحمت میں ہوئی اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان اظہار نبوت فرمایا تو اس کے ایک دن بعد شرف ایمان سے فیض یاب ہوئے اس وقت

آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔

شان علی

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا۔

”تمہاری حیثیت میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون (علیہ السلام) کی موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کے ساتھ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“
(ترمذی)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے ہیں اور میں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوں۔“
(ترمذی)

مزید فرمایا۔

”جس کا میں مددگار ہوں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کے مددگار ہیں۔“

مزید فرمایا۔
(احمد)

”میں علم کا شہر ہوں۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔“

فرمایا۔
(ترمذی)

”منافق علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت نہیں رکھتا اور مومن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض نہیں رکھ سکتا۔“
(ترمذی)

فرمایا۔

جس نے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

فرمایا۔
(احمد)

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔
(ترمذی)

شاہکار رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاریخ کے مہیب اندھیرے میں حق و صداقت کا چراغ روشن کیا۔ حکمت علم و فضل اور بلاغت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ آپ کی شجاعت، بہادری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔

آپ کی سیرت، سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد گھومتی ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق اور حقیقت کے لئے جان جیسی عزیز چیز قربان کر دی فاتح، شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہیں۔

آپ تقویٰ و طہارت، شجاعت، علم، اور حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔ ان کی زندگی سادگی اور فقر کا کامل نمونہ تھی۔

ایک دفعہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس صاحبزادے کو شفا دے دے۔ تو وہ تین روزے رکھیں گے نذر قبول ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ رکھا اور افطار کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ تھوڑی سی روٹی لائے بی بی خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روٹی کو کاٹا اور اس کی اجرت کے جو پیسے آئے۔ اس کا آٹا منگوا کر روٹیاں پکائیں جب افطار کا وقت آیا تو ایک مسکین نے دروازہ پر سوال کیا آپ نے وہ روٹیاں مسکین کو دے دیں۔ اور خود پانی پر اکتفا کر کے صبح کو روزہ رکھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ وغیرہ کیا کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نجیب الطرفین ہاشمی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سچے عاشق، سرخیل اولیاء اور خلیفہ چہارم ہیں۔ بحر علم و حکمت، مخزن سخاوت، سلطان الشجاع، رہبر اولیائے اللہ، مظہر العجائب، امام المشرق والمغرب، رازدان شریعت و پیشوائے طریقت ہیں۔

ہجرت کے وقت آپ کو ایک اور شرف عطا ہوا۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کا قصد کیا۔ تو جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ جائیں اور دوسرے دن لوگوں کو امانتیں واپس کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوئے، غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے ان میں سے ۲۱ مشرک آپ کی تیغ سے قتل ہوئے تھے۔ غزوہ احد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار نے اپنے نرغہ میں لے لیا۔ تو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر کفار پر شدید حملے کئے اور شجاعت کا بے مثل کارنامہ پیش کیا ہے۔

غزوہ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے جو قوت اور بہادری میں ہزار آدمیوں پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ مقابل صف عسکر اسلام ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس کے مقابلے میں نکلے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح عمرو بن عبدود کے قتل سے دشمنان اسلام کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خیبر کا قلعہ قمر و ص جب فتح نہ ہو سکا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کا حکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چشم آشوب میں مبتلا تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعاب

مبارک لگا دیا۔ آشوب چشم جاتا رہا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہی جست میں خندق کو پار کر کے قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئے اسی کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر لڑے اور قلعہ فتح کر لیا۔ آپ کے اس تحیر کن قوت کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میں جست لگاؤں تو آسمان تک پہنچ جاؤں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن ہی کی برکت تھی۔ آپ سخت جاڑوں کے موسم میں باریک قسم کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

”صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان سے محبت اور ان کا احترام ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دیکھنا عبادت ہے اولیاء اللہ کے فیض و ہدایت کا مرکز علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ قطب ابدال اوتاد جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تربیت حاصل کرتے۔ ان کی امداد و اعانت سے راہ سلوک طے کرتے ہیں جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت اہل سنت ہونے کی شرط ہے۔“

جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ذوالحجہ ۳۵ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔

۲۵ رمضان ۴۰ ہجری میں شہید ہوئے۔

جناب امام حسین و حسن علیہم الرضوان کے علاوہ آپ کی دیگر ازواج سے سولہ فرزند تھے بعض نے تصریح کی کہ آپ کے کل انیس بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ چھ صاحبزادے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی تیرہ میں سے چھ یعنی عباس بن علی، عثمان بن علی، عمر بن علی، ابو بکر بن

علیٰ ابوالقاسم محمد بن علی اور حضرت امام حسین علیہم الرضوان کربلا میں شہید ہوئے۔ دنیا میں اس وقت صرف پانچ بیٹوں حسن، حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، عمر علیہم الرضوان سے آپ کی نسل چل رہی ہے۔

شہادت

۲۰ رمضان المبارک ۴۰ ہجری جامع مسجد کوفہ میں تھے کہ شقی ازلی ابن ملجم خارجی نے اس شمع ہدایت پر جس کی حیات کا ایک ایک لمحہ نوع انسانی کے لئے مشعل راہ تھا اور جو تقویٰ پر ہیزار گاری، علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھا زہر آلود خنجر سے زخمی کیا اور یہ آفتاب علم و فضل ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو غروب ہو گیا۔

آپ کا روضہ اقدس نجف شریف میں فیوض ولایت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرکز اور اولیاء امت کا لجاوادی ہے۔

خطبات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس جمیل تھے۔ اور آپ کے اقوال اور خطبے اثر پذیری میں آپ اپنی مثال تھے۔

1- ”اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے مایوس ہو جا، کسی اور کو فریب دے۔ تیری عمر کو تاہ تیرا عیش ہے حقیقت تیرا خطرہ زبردست ہائے زاد راہ کس قدر کم ہے۔ سفر کتنا طویل اور راستہ کس قدر وحشت ناک ہے۔“

2- ”تنگ دلی بزدلی دور حرص انسان سے اس کا ایمان سلب کر لیتی ہے۔“

3- کسی حریص کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تم سے وسعت قلب اور

استغنا چھین لے گی۔

4- کسی بزدل کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے اندر حرص و ہوا پیدا کر دے گا اور تمہیں ظالم و آمر بنا دے گا۔

5- ایسے لوگ تمہارے لئے بہتر ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور بصیرت سے نوازا ہو گا جن کے دامن پر کسی گناہ کا داغ نہ ہو اور جنہوں نے کبھی کسی ظالم کی اعانت نہ کی ہو۔

6- محسن کا شکر ادا کرو اور شکر گزار پر احسان کرو۔

7- علم دولت سے بہتر ہے کیونکہ تم دولت کی حفاظت کر چتے ہو اور علم

تمہاری حفاظت کرتا ہے۔

8- دولت خرچ کرنے سے کم اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

9- جب تم کسی پر احسان کرو تو اسے چھپاؤ اور اگر کوئی تم پر کرے تو اسے

پھیلاؤ۔

10- دین خزانہ ہے اور علم اس کا راستہ۔

11- عالم وہی ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔

12- بھلائی کی خواہش، برائی کی خواہش کو دبا دیتی ہے۔

13- پرہیزگاری سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں۔

14- دنیا کی سب سے بڑی غریبی بے عقلی ہے۔

15- ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ تکلیف اٹھاؤ۔

16- بڑی دولت عقل اور بڑی مفلسی بے خوفی ہے۔

17- جھگڑے میں کودنا بہت آسان ہے لیکن نکلنا بہت مشکل۔

18- جاہل کی بات پر تحمل کرنا عقل کی زکوٰۃ دینا ہے۔

19- عقل کامل ہو جائے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔

- 20- خوش بخت کو آخرت کا اور بد بخت کو دنیا کا غم ہوتا ہے۔
 21- حکمت کا درخت دل میں اگتا ہے۔ دماغ میں پلتا ہے اور زبان پر پھل لاتا ہے۔
 22- ظلم، ظالم کو بچھاڑ دیتا ہے۔
 23- تم بڑوں کی عزت کرو۔ چھوٹے تمہاری عزت کریں گے۔
 24- ولادت موت کی قاصد ہے۔
 25- سردار بننا ہے تو برے سے نیکی کر۔
 26- بوڑھے کی رائے جو ان کی قوت اور زور سے اچھی ہے۔
 27- ثواب حاصل کرنے کی نسبت گناہ سے پرہیز کرنا زیادہ بہتر ہے۔
 اس کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے شمار ارشادات ہیں جو کسی اور موقع پر بیان کئے جائیں گے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، آسمان فضائل کا مہر عالم تاب ہیں ان کے اوصاف و محاسن اور فضائل و مناقب میں سے ایک ایک تاج افتخار کا گوہر شاہوار کئے جانے کا مستحق ہے۔ یہاں تفصیل کے ساتھ ان کے حالات و مناجات نہیں تحریر کئے جاسکتے کیونکہ ان کو احاطہ تحریر لانے پر ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ کیا خوب فرماتے ہیں۔
 مرتضیٰ شیر حق اشجع الالٰحقین
 ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
 اصل نسل ضفاوجہ وصل خدا
 باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

اولیس دافع اہل رخص و خروج
 چاری رکن ملت پہ لاکھوں سلام
 شیر شمشیرزن شاہ خیبر شکن
 پر تو دست قدرت پہ لاکھوں سلام
 حاجی رخص و تفضیل و نصب و خروج
 حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش از اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

اولاد اطہار

سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پانچ اولادیں عطا فرمائیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں ان کے اسمائے گرامی (ترتیب ولادت کے مطابق) یہ ہیں۔

- 1- حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 2- حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 3- حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- 4- حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- 5- حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض مورخین محسن کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

لیکن مسعودی، یعقوبی، ابوالفراء وغیرہ نے ان کا ذکر کیا ہے ان سب کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ محسن صفر سنی میں فوت ہو گئے۔ مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تین بیٹیاں تھیں۔ تیسری بیٹی کا نام رقیہ بتایا گیا ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور جمہور اہل بیت و تاریخ اس کو تائید نہیں کرتے۔

آپ کی اولاد کا تذکرہ بیان کئے بغیر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت نامکمل سی نظر آتی ہے اس لئے ان کی اولاد اطہار کا ذکر اختصار سے کر دیا ہے۔

نواسہ رسول لخت جگر بتول خلیفہ راشد امیر المؤمنین
سیدنا حضرت ابو محمد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہ حسن مجتبیٰ سید الاخیاء
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مبرہدئی موج بحر ندئی
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہر خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

آپ رضی اللہ عنہ نص حدیث کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں
۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا۔ بال
منڈوائے اور حکم دیا کہ بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جائے ابو احمد
عسکری فرماتے ہیں۔

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا۔ اور کنیت ابو محمد
رکھی جاہلیت میں یہ نام معروف نہیں تھا۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شبیبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
عنہ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چال ڈھال
شکل و شبہات میں اور رنگ و روپ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے بہت مشابہ تھے۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ اور ۱۰ حج پیدل کئے۔

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا ایک شخص نے کہا! اے بچے! تو بہت اچھی سواری پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر بٹھایا ہوا ہے اور دعا فرما رہے ہیں۔

”اے اللہ عز و جل میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔“ بخاری شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منبر شریف پر دیکھا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے امیر ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔

مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر اس طرح سچ ہوئی کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد سات ماہ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے لڑائی کی شکل پیدا ہو گئی آپ نے مسلمانوں کی باہم لڑائی اور خون ریزی کو پسند نہ فرمایا اور چند شرائط کے ساتھ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی اور صلح ہو گئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔

دستبرداری کے بعد سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات تک کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہ لیا اور نہایت خاموشی سے اپنا تانا سہارا مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار میں زندگی گزار دی ان کے وقت کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں گزرتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے کسی شخص سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا۔

”فجر کی نماز سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے ہیں پھر نیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملاقات کے لئے آنے والوں سے ملتے ہیں دن چڑھتے چاشت کی نماز ادا کر کے اصحات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔“

مکہ معظمہ میں ہوتے تو عصر کی نماز بالا التزام حرم پاک میں ادا کرتے اور پھر طواف کعبہ میں مشغول ہو جاتے۔

فکر معاش کی طرف سے بے نیاز تھے کیونکہ اہواز کا سالانہ اخراج ان کے لئے مخصوص تھا۔

اس کثیر آمدنی کو وہ بے دریغ راہ خدا تعالیٰ میں لٹاتے رہتے تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اور تین مرتبہ آدھا مال راہ خدا میں بانٹ دیا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی ساکن ان کے در سے خالی ہاتھ چلا جائے حاجت

مندوں کی حاجتیں پوری کرنا ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا تھا شکل و شمائل میں سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ سیرت بھی نہایت پاکیزہ تھی ان کے گلشن اخلاق میں زہد و استغنا حلم و تحمل، جو دوسرا، خوش خلقی، امن پسندی، صلح جوئی، نرم خوئی اور خیر خواہی امت نہایت خوش رنگ پھول ہیں۔ دوسرے فضائل اخلاق کے ساتھ نہایت عاقل و دانا بھی تھے۔ زندگی بھی نقش کلمہ زبان سے نہیں نکلا۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکیمانہ اقوال میں سے ہے

ک۔

1- مومن وہ ہے جو زاد آخرت مہیا کرے اور کافروہ ہے دنیا کے مزے اڑانے میں مشغول ہو۔

2- تمہاری عمر برابر کم ہوتی جا رہی ہے جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کسی کی مدد کر جاؤ۔

3- جو لوگ تمہارے دوست بنا چاہتے ہیں ان کے دوست بنو کامل کہلاؤ گے۔

4- دانیوں میں اعلیٰ درجے کی دانائی تقویٰ ہے اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بد اخلاقی اور بد اعمالی ہے۔

5- اپنی تعریف زیادہ کرنا ہلاکت کا باعث ہے۔

6- مکارم اخلاق دس ہیں۔

(1) زبان کی سچائی، (2) حسن خلق، (3) مہمان نوازی، (4) حق دار کی شناسی، (5) سائل کو دینا، (6) احسان کا بدلہ دینا، (7) حقوق العباد، (8) شرم و حیا، (9) صلہ رحمی، (10) باطل سے جنگ کے وقت حملہ میں شدت۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کے صاحبزادے حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔ اور آپ سے صرف تیرہ احادیث مروی ہیں۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باختلاف روایت (۴۷) سال ۳۷ھ یا ۵۰ھ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع شریف میں اپنی والدہ والدہ ماجدہ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات زہر سے ہوئی جو ان کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے دیا۔ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گئی مدینہ منورہ کے بازار بند ہو گئے اور ہر شخص فرط غم سے نڈھال ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں رو رو کر کہتے تھے۔

”لوگو آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔“

ایک روایت کے مطابق آپ کے آٹھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔
الحسین، زید، عمر، قاسم، ابو بکر، عبدالرحمن، طلحہ، عبید اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی یہاں اختصار سے بیان کئے گئے ہیں۔

وہ حسن مجتبیٰ سید الاخیاء
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مبرہدئی موج بحر ندئی
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہر خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

نواسہ رسول، گلشن رسالت کے پھول سیدنا حضرت ابو عبد اللہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس شہید بلاشاہ گللوں صبا
یکس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
در درج نجف مہر برج شرف
رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

۵۴ شعبان ۶۲ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ان کی ولادت باسعادت کی خبر سن کر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ اور نو مولود بچے کے کانوں میں اذان دی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی والدین نے بچے کا نام حرب رکھا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر حسین نام رکھا۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً سات سال تک سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ دوسرے نواسوں اور نواسیوں کی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین سیدنا عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ نہایت عزیز جانتے رہے۔

تمام ارباب سیر نے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بڑے فاضل تھے اکابر مدینہ مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی علوم کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ ان کے تبحر علمی، علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ ان کے خطبات سے کیا جاسکتا ہے جن میں سے کچھ آج بھی کتب سیر میں محفوظ ہیں۔

فضائل اخلاق کے اعتبار سے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیکر محاسن تھے۔ عبادت و ریاضت ان کا معمول تھا قائم اللیل اور دائم الصوم تھے۔ فرض نمازوں کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ ان کے فرزند حضرت علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ شب و روز میں ایک ایک ہزار نوافل پڑھ ڈالتے تھے۔ روزے بکثرت رکھتے تھے اور سادہ غذا سے افطار فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن پاک ضرور ختم کرتے۔ حج بھی بکثرت کرتے تھے اور وہ بھی بالعموم مہیا پیادہ۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے پچیس حج پیدل کئے آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجالس و قار اور متانت کا مرقع ہوتی تھیں۔ لوگ ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اس وقار متانت اور بلندی مرتب کے باوجود سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمکنت اور خود پسندی سے کوسوں دور تھے اور بے حد حلیم الطبع اور منکسر المزاج

تھے نہایت کم حیثیت کے لوگوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔
 ارباب سیر نے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے
 کلمات طیبات نقل کئے ہیں جو دانش و حکمت اور پند و موعظت کا خزینہ ہیں۔ ان
 میں سے کچھ یہ ہیں۔

- 1- جلد بازی نادانی ہے۔
- 2- علم زینت ہے۔
- 3- صلہ رحمی نعمت ہے۔
- 4- راست بازی عزت ہے۔
- 5- جھوٹ بجز ہے۔
- 6- بخل افلاس ہے۔
- 7- سخاوت دولت مندی ہے۔
- 8- نرمی عقلمندی ہے۔
- 9- رازداری امانت ہے۔
- 10- حسن خلق عبادت ہے۔
- 11- عمل تجربہ ہے۔
- 12- امداد دوستی ہے۔
- 13- اچھے کام کرتے رہو مگر دل سے۔
- 14- گمراہی سے شہرت پیدا نہ کرو۔
- 15- عطا کے ذریعے نیک نامی پیدا کرو۔
- 16- اپنی زیادہ تعریف باعث ہلاکت ہے۔
- 17- جو سخاوت کرتا ہے سردار بنتا ہے جو کججوسی کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔
- 18- جس کام کو انجام ہی تمہارے لئے دشوار ہو تم اس پر قادر نہ ہو اس

کی ذمہ داری اپنے سر نہ لو۔

19- اس چیز کے درپے نہ ہو جسے تم نہیں سمجھ سکتے یا نہیں پا سکتے۔

20- سردار بننے چاہتے ہو تو حرکت و عمل 'جد و جہد کو اپنا معمول بناؤ۔

سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدری صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لڑکوں کے وظیفے مقرر کئے تو جہاں دوسرے اصحاب بدر کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ وہاں حضرات حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پانچ پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دوسرے لڑکوں پر اس وجہ سے ترجیح دی کہ وہ ان کے آقا و مولانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب نواسے تھے۔

اسعاف میں ہے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی میں دلاور اور بہادر تھے اور آپ کے فضائل میں متعدد حدیثیں بیان کیں۔ ان میں بعض یہ ہیں۔

”حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہوں! اے اللہ (عز و جل) جو حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سے محبت رکھے اسے محبوب رکھ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نواسوں

میں سے ایک نواسا ہیں۔“

حدیث شریف میں ہے۔

”جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی مرد کو دیکھے (ایک روایت میں ہے)

جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے وہ حسین بن علی کو دیکھے لے (رضی اللہ تعالیٰ

عنہما) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔

”چھوٹا بچہ کہاں ہے؟“

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے ہوئے اور آغوش رسالت میں

گزر گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا۔

”اے اللہ عزوجل میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور اس کے محبت کو محبوب رکھ۔“

انہی سے روایت ہے۔

”میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لعاب دہن چوستے ہوئے دیکھا جس طرح آدمی کھجور کو چوستا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ شریف کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

”آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔“

(ابن اشیر وغیرہ)

کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہ تھے کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی تھی۔ آپ نے انہیں کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے والد کی بات کی تکذیب کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔

”آپ خاموش رہیں میں اس معاملے کو آپ سے بہتر جانتا ہوں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصحابہ میں فرمایا۔

”سیدنا حضرت امام حسین مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ

اپنے والد ماجد کے ساتھ کوفہ میں تشریف لے گئے ان کے ہمراہ جنگ جمل میں پھر جنگ صفین میں پھر خوارج کی جنگ میں شریک ہوئے ان کی شہادت تک ان کے ساتھ رہے پھر اپنے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی پھر اپنے برادر محترم کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال تک وہیں رہے پھر مکہ مکرمہ چلے گئے وہاں آپ کے پاس اہل عراق کے خطوط پہنچے کہ ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد آپ کی بیعت کر لی ہے چنانچہ آپ نے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس بھیجا انہوں نے ان سے بیعت لی اور حضرت امام حسین کو پیغام بھیج دیا۔ تب آپ روانہ ہوئے اور آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔“

یہ واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعۃ المبارک کا واقعہ ہے۔ طوالت کے خوف سے سانحہ کرب و بلا کا واقعہ یہاں تحریر نہیں کیا جا رہا۔

اس شہید بلا شاہ گللوں صبا
 بیکس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
 در درج نجف مہر برج شرف
 رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واقعہ کربلا پر کچھ اس

طرح رقم طراز ہیں۔

نور نگاہ فاطمہ آسماں جناب!
 نخت جگر امام حسین ابن بو تراب
 صورت تھی انتخاب تو قامت تھا اجواب
 چہرہ سے شاہزادہ کے اٹھا جیسی نقاب
 کاکل کی شام رخ کی سحر موسم شباب
 شہزادہ جلیل علی اکبر جمیل
 پالا تھا اہل بیت نے آغوش ناز میں
 صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا
 خورشید جلوہ گر ہوا پشت سمند پر
 صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں
 چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں
 سینو نہیں آگ لگ گئی اعدائے دین کے
 نیزہ جگر شکاف تھا اس گل کے ہاتھ میں
 چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا
 کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں
 مردان کار لرزہ بر اندام ہو گئے
 کوہ پیکروں کو تیغ سے دوپارہ کر دیا
 تلوار تھی کہ صاعقہ برق یار تھا
 چہرے میں آفتاب نبوت کا نور تھا
 پیاسا رکھا جنہوں نے انہیں سیر کر دیا

میدان میں اس کے حسن عمل دیکھ کے نعیم

حیرت سے بدحواس تھے جتنے تھے شیخ و شباب

خاتون کربلا سیدتنا حضرت زینب

بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام زینب اور کنیت ام الحسن تھی بعض ایک جگہ ام کلثوم بھی آیا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد ان کی کنیت ”ام المصائب“ بھی مشہور ہو گئی۔
سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند مشہور الفاظ بات یہ ہیں۔

نائبۃ الزہراء، شریکۃ الحسین، راضیہ بالقدر والقضاء، شجاعہ، فصیحہ، بلغیہ، زاہدہ،
فاضلہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

مستند روایات کے مطابق سیدتنا حضرت زینب بنت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جمادی الاولیٰ ۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنی شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے بچی کو گود لیا پھر دہن مبارک میں کھجور چپائی اور لعاب مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچی کا نام زینب تجویز کیا اور فرمایا۔

”یہ ہم شیبیہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔“

حجۃ الوداع کے موقع پر سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رسول کریم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ھ میں جب حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کا وقت قریب آیا تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلاؤ۔ وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق نانا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تقضی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیر کر دلا سادیا۔

نبی محترم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے وقت سیدہ زینب بنت علی المر تقضی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی عمر تقریباً چھ (۶) برس کی تھی۔ چھ ماہ بعد شفیق والدہ سیدنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دنیا سے پردہ فرمایا۔ ان حادثوں نے ننھی جان حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ پہنچایا اور ان ہستیوں کی جدائی سے حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے بچے غم و الم کی مور تیں بن گئے۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے عالم ہوں تو شاگردوں کی خوش بختی کا کیا ٹھکانا۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے جلیل القدر باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم اور دوسرے اوصاف سے خوب استفادہ کیا حتیٰ کہ زہد و تقویٰ عقل و فراست، حق گوئی بے باکی، عفت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں مثل فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہو گئیں۔

سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تفضی رضی اللہ تعالیٰ عنہا دراز قد اور مناسب الاعضاء تھیں۔ چہرہ مبارک پر اپنے نانا سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں وقار حیدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمایاں تھا۔ تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم و فضل میں قریش کی کوئی لڑکی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بے مثال خطیب تھے۔ وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فصاحت و بلاغت اور زور بیان و رثہ میں ملے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی لخت جگر کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت سے مطمئن تھے۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لئے ہیں انہیں پڑھ کر کون سادل ہے جو کچھ نہ جائے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو جائے۔

سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب سن بلوغت کو پہنچیں تو قبلہ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لئے پیغام نکاح بھیجا جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کسی وجہ سے انکار کر دیا اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے۔ شہید غزوہ موتہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب کے فرزند حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تفضی کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نکاح کے خواستگار ہوئے چونکہ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی کی زیر نگرانی اور زیر پرورش تھے۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ اور سیرت و صورت میں جو انان قریش میں

امتیازی حیثیت رکھتے تھے جناب علی المر تفضلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست نکاح کو قبول کر لیا۔ خاندان کے چند بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لے کر مسجد میں آگئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نہایت سادہ طریقے سے اپنی لخت جگر کا نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر مختلف روایات کے مطابق گیارہ یا تیرہ سال تھی۔

سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تفضلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں۔ اور وہ بھی ان کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ گھر میں لوٹنیاں بھی تھیں اور خادم بھی لیکن زیادہ تر گھر کا کام کاج وہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے ”زینب بہترین گھر والی ہے۔“

۷۳ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تو سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر بھی کوفہ آگئے۔ کوفہ میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت تندہی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا کام انجام دیتیں۔ کوفہ کی اکثر خواتین ان کے پند و نصائح سے مستفیض ہوتیں۔ یوں ان کے علم و فضل کا چرچا گھر گھر پھیل گیا۔

سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المر تفضلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زندگی مصائب و آلام میں گھری ہوئی نظر آتی ہے اگر ان کو تفصیلاً بیان کیا جائے تو ایک الگ دفتر درکار ہو گا۔ یہاں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ اپنے عالی مرتبت اور معدن علم و فضل باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت پر غم و اندوہ کا پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا اس کے بعد اپنے شفیق برادر بزرگ سیدنا حضرت امام حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔ اس وقت وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھیں۔

ذی الحجہ ۷ھ کے کھمبے میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کی دعوت کی دعوت پر اپنے اہل و عیال اور جاں نثروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکہ سے کوفہ سے عزم کیا تو سیدنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے دو فرزندوں کے ہمراہ اس قافلے میں شامل ہو گئیں۔

دس محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کا دلہ وز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے بھتیجے اور ان کے متعدد جاں نثار شامی فوجی سے مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس حوصلے شجاعت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بہر حال سانحہ کرب و بلا آپ کی آنکھ کے سامنے پیش آیا اس وقت کی تکلیف وہاں سے گورنر ابن زیاد کے پاس جانے کے واقعات اس کے بعد اس قافلہ کا یزید کے سامنے پیش ہونا اور پھر مدینہ منورہ آنا یہ وہ تکلیف دہ اور مصائب و آلام سے بھرے واقعات ہیں کہ بیان کرنے کے لئے ایک دفتر ہے جس کو ہم یہاں بیان نہیں کر رہے۔

سانحہ کربلا کے بے پناہ مصائب و آلام نے سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل و جگر کو پارہ پارہ کر دیا مدینہ منورہ پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ۶۲ ہجری میں انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور یوں پہچان اہل بیت کی سر پرست شہدائے کربلا کی یادگار اور دشمنوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والی بے مثال خطیبہ اپنے محبوب و مظلوم بھائی سے جنت الفردوس میں جا ملیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ شام چلی گئیں دمشق کے پاس حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کچھ زمینداری تھی۔ وہاں پہنچنے کے بعد بیمار ہوئیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہیدان کربلا کے مصائب نہات درد انگیز لہجہ میں کمال فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو سنایا کرتی تھیں لوگ ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان میں اہل بیت کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا تھا مدینہ منورہ نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی اس نے حکم بھیجا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی دوسرے شہر بھیج دو۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے تو جانے سے انکار دیا پھر بعض لوگوں کے سمجھانے بچھانے سے رضامند ہو گئیں اور سیکنہ و فاطمہ بنات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کچھ دوسری قرابت دار خواتین کے ہمراہ مصر چلی گئیں وہاں کے والی حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نہایت عزت و تکریم کی اور اپنے دار الاقامہ میں ٹھہرایا۔ تقریباً ایک سال بعد ۶۲ھ میں سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

(واللہ اعلم)

سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیدتنا حضرت زینت حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جن کی کنیت ام کلثوم تھی۔ یہ سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چھوٹی بیٹی تھیں بڑی بیٹی حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

طبریٰ نے تفسیر کبیر میں ابن حبان نے ”کتاب الثقات“ ابن قتیبہ نے معارف اور ابن اثیر نے ”کامل“ میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں اور یہ نکاح ۷ ہجری ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔ اس نکاح کی صحت پر اور سند میں کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر آ گیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ۔

سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں میں چادریں تقسیم کیں۔ ایک بچ رہی۔ اس کے متعلق تردد تھا کہ کس کو دی جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یا امیر المؤمنین اعط هذا بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه
 وسلم عنك يريد ام كلثوم“ (صحیح بخاری، باب الجهاد)

اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سیدنا امیر
 المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے
 تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کی صلب سے سیدنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک بیٹا زید
 پیدا ہوا۔ ماں اور بیٹا دونوں ایک ہی ساعت میں فوت ہو گئے۔

(حسب اہل بیت کون؟ از مولانا سید شبیر حسین شاہ)
 مولانا نے یہ روایت حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے
 بیان کی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ
 رہیں انہوں نے نکاح ثانی عون بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا۔ ان
 سے کوئی اولاد نہ ہوئی حضرت عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رحلت کے بعد
 ان کے بھائی محمد بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کیا۔ ان سے ایک
 لڑکی پیدا ہوئی جو لڑکپن میں فوت ہو گئیں۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
 تم کو مرثدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت

کس زبان سے ہو بیان عز و شان اہل بیت
 مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
 آئیہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
 ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
 قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت
 رزم کا میدان بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
 کربلا میں سو رہا ہے امتحان اہل بیت
 کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
 دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہل بیت
 تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
 پیاس کی شدت میں تڑپے ہے زبان اہل بیت
 فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
 حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت
 گھر لٹاتا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
 جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت
 اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
 لعنتہ اللہ علیکم دشمنان اہل بیت
 بے ادب گستاخ فرقہ کو سنادے اے حسن
 یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہل بیت

(از مولانا حسن رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

کنیز فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت فضہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک وفادار کنیز بھی تھیں جن کا نام فضہ تھا۔ اور ان کو شرف صحابیت بھی حاصل ہے۔ حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس النسل تھیں ان کا وطن حبشہ یا سوڈان (نوبیہ) تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نکاح حضرت ابو ثعلبہ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا۔

حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف گھر کے کام کاج میں سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ بٹاتی تھیں بلکہ ان کے ہر دکھ سکھ میں برابر کی شریک رہتی تھیں۔ اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گھر کا ایک فرد تھیں۔

سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز میں آگئی۔ حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سال وفات کے بارے میں کوئی مستند روایت موجود نہیں البتہ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند سال بعد فوت ہوئیں اور ان کی قبر حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے ساتھ شام میں ہے۔

خطاب دخترانِ اسلام

اے دخترانِ ملت آپ نے دخترِ خیر الانام رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ملاحظہ فرمائی اگر سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت طیبہ کا ایک ایک پہلو، ایک ایک لمحہ ایک ایک نقطہ کو احاطہ تحریر لایا جائے اور پھر ایک ایک چیز ایک ایک پہلوئے زندگی سے درس و نصیحت حاصل کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم دفتر بن جائے۔

اے دخترانِ ملت! ذرا غور کیجئے دخترِ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حالات زندگی پر کس طرح ایک مکمل حیات طیبہ ہے ان کو ایک مکمل عورت کے جس روپ میں بھی دیکھیں اسی میں ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ اور ایک بہترین سبق ہے گویا سیرتِ دخترِ خیر الانام (رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دخترانِ اسلام کے لئے ایک مکمل یونیورسٹی ہیں۔ بحیثیت ایک عورت، بحیثیت ایک بیٹی، بحیثیت ایک بیوی، بحیثیت ایک ماں، بحیثیت ایک مبلغہ یہی ہیں عورت کے روپ۔

اے دخترانِ ملت اسلام! کیا سیدتنا دخترِ خیر الانام (رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی سیرت طیبہ عورت کے تمام پہلوؤں کی ایک مکمل تصویر ہمیں ہے؟ اے دخترانِ اسلام اٹھا کر دیکھیں سیرتِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی، بہن، بیوی اور ایک ماں ایک مکمل عورت ہیں۔

لیکن 'آہ! ایک دختر اسلام! افسوس تیری سوچ اور تیری حالت پر کہ تو نے اسلام پر ہی اعتراض کرنا شروع کر دیئے۔ کیا آج تو جس معاشرے کا حصہ بننا چاہتی ہے اور جن ترقی پسند عورتوں کی تقلید کرنا فخر سمجھتی ہو کیا ان ترقی پسند اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس کوئی ایک بھی ایسی مثال موجود ہے جو ایک مکمل عورت کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہو۔

اسلام پر اسلام سے ناواقف عورت کے اعتراضات

عورت کی تعلیم کا مسئلہ جتنا ضروری تھا۔ اتنا ہی بے شعور معلمین نے اسکو نازک اور مخدوش بنا دیا ہے جس تعلیم سے انسانیت کا دروازہ کھلتا ہے وہ مبروک ہو گئی اور نئے نصاب تعلیم نے ایک روشن دماغ ہو نہار اور قابل ترقی صنف کو محض ایک مزین کھلونا بنا کر رکھ دیا۔ جذبات کی دنیا میں بہنے والے انسان اور ننگ دھڑنگ رہ کر فطرت کو سراہنے والے حیوان ناطق نے عورت کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ عورت مستور ہونے کے قابل ہی نہیں اور یہ نہ سوچا۔ کہ ہماری معدوم ستر پوشی انسانیت کو دفن کرنے کے لئے آزادی اور آزاد خیالی کا کونسا ویرانہ تیار کر رہی ہے جہاں ہماری غیر فطری بے راہ روی کو ٹھکانہ ملے گا۔ یا تہذیب کا کونسا گہرا گڑھا کھودا جا رہا ہے جہاں ہماری بے ہودگی آنے والی نسلوں کی غیر فانی عصمت کو دفن کر دے گی۔ انسانی عظمت کی تمام بلندیوں کو مسمار کر کے زمین ایسی ہموار کر دی جائے کہ حیوان حقیقی اور حیوان غیر حقیقی میں کوئی فرق نہ رہے۔ نسوانی جوہر برباد کر دیئے جائیں۔ اور عورت کو ایک ایسے غیر فطری چوراہے میں لاکھڑا کر دیا جائے جہاں اس کو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق عمل میں لاسکے یہ ہے وہ نئی روشنی کا مینار جس پر پرانے سے پرانے اندھیرے کو بھی شرف حاصل ہو سکتا ہے!

آج سے پہلے جو عورت پردہ و حجاب اپنی عصمت و عفت کا بیش بہا زیور سمجھتی تھی وہ مغربی مذہبی قومی ہر تہذیب سے آزاد ہو کر اپنے برہنہ شباب و عریاں حسن کے مظاہرہ کے لئے غیرت و حجاب کی تمام بندشوں کو توڑ کر سینماؤں تھیٹروں، باغوں، تالابوں، دریاؤں، چوکوں، کلفٹوں میں مردوں کے جذبات کو مشتعل اور نگاہوں کو روند کر اپنی ترقی شباب کی انگلیوں کو منظر عام پر لانے کی سعی میں مصروف رہے اور معترض ہو رہی ہے کہ۔

(الف) مذہب اسلام عورتوں کے حق میں بہت سخت ہے۔

(ب) اسلام نے عورتوں کے جذبات خیالات اور احساسات کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا۔

(ج) اسلام نے عورتوں کے نسوانی مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسے قیود پیش کئے ہیں جو ناقابل برداشت ہیں۔

(د) موجودہ ترقی یافتہ دور میں عورت کو مردوں کے پیچھے رکھنا اور مکان کی چار دیواری میں پابند آئین بنانا ایک معصوم عورت پر صریح ظلم ہے۔

(ذ) اسلام عورتوں کو مردوں کا محتاج بناتا ہے اور عورت کو حقیر نظر سے دیکھتا ہے۔ عورتیں مستحق ہیں کہ اپنی آزادی کے لئے صدائے احتجاج بلند کریں اور اسلام کے قیود سے آزاد ہو کر یورپ کے پیش کردہ اصولوں پر چلیں تاکہ مہم زدہ دنیا میں فلاح پسکیں۔

ان اعتراضات کا جواب تم ہم آگے چل کر دیں گے یہاں صرف یہ قابل دریافت امر ہے کہ کیا واقعی اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور غیر منصف ہے۔ کیا اسلام کی قیود واقعی ایسی ہیں کہ ان کو توڑ کر پھینک دیا جائے اور کیا آئین اسلام میں عورت کے ساتھ نہایت بے انصافی کا برتاؤ کیا گیا ہے اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔ یہ اعتراض اس عورت کا ہے جو مذہب کے معاملے

میں قطعی ناواقف اور اس نابالغ بچی کی طرح ہے جو کسی ٹھگ کی چارریوڑیاں لے کر اپنا قیمتی زیور اتروا آتی ہے۔

اگر اس کو اپنی حقیقت کا خیال و احساس نہ ہوتا تو ایسا نہ کہتی۔ کیونکہ اسلام عورتوں کے حق میں ایک پیغامِ رحمت ہے جس نے عربوں کی زندہ درگور لڑکیوں کو زندگی بخشی جس نے یہودیوں کی ٹھکرائی ہوئی خواتین کو اپنی آغوشِ محبت میں جگہ دی جس نے مجوس کے عذاب سے اس کو نجات دلائی۔ جس نے عیسائی کی وحشت کاریوں سے اس کو پناہ میں لیا جس نے ہندو کی مظلوم اور منوشاستر کی دھتکاری ہوئی عورت کو عزت بخشی اور سستی کی ظالمانہ رسم سے بچا کر آگ میں کودنے سے روکتے ہوئے وراثت کا حق دار بنا دیا۔

دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ شاہد ہے کہ عہدِ عتیق کی عورتیں کس کسپہری اور بد حالی میں مبتلا تھیں۔ یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے اس کا درجہ بلند کیا عزت بخشی اور اس کے چہرے کا وہ آب و رنگ جس کو حریص انسانوں کے وحشیانہ حملوں نے لوٹ لیا تھا دوبارہ واپس دلایا۔ اسلام ہی نے اس کو جنسِ اشرف میں شمار کرایا اور اس نے اس کی فریادِ رسی کی حقوق منوائے اور ہر قسم کی معاشرتی خانگی اور سماجی مراعات کا مستحق ٹھہرا دیا۔ اگر باور نہ ہو تو آؤ اس تفصیل کے لئے بعض تاریخوں کا مطالعہ کریں تاکہ حق آشکارا ہو جائے۔

تواریخ کی روشنی، تاریخِ عرب

اہل عرب عورت کے وجود سے صرف متفرغ ہی نہ تھے۔ بلکہ یہاں تک اس کے حقیقی مخالف تھے کہ جہاں اس پودے نے جنم لیا۔ فوراً اس کو مسل دیا ان کی قومی عزت اور خاندانی حمیت یہ گوارا ہی نہیں کرتی تھی کہ ان کے گھر میں کوئی بچی پیدا ہو کر زندہ رہ سکے۔ اگر ماں کی مامتا کسی بچی کو کچھ وقت کے لئے باپ کی نظر سے اوجھل کر کے اپنی تمنائیں پوری بھی کر لیتی۔ تو باپ کو جب اس کا علم ہوتا۔ وہ

فوراً اس معصومہ کو اٹھاتا اور کسی دور دراز جنگل میں لے جا کر زندہ ہی پوند خاک کر دیتا۔ تاکہ قومی طعنہ زنی سے محفوظ رہ سکے۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے زار و قطار رونے لگے۔ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے لیا م جاہلیت کا ایک المناک واقعہ یوں عرض کیا کہ مجھے خداوند عالم نے ایک مرتبہ ایک بچی دی جس کو اس کی ماں نے عرصہ تک زندہ درگور کر دینے کے خوف سے مجھ سے چھپائے رکھا لیکن ایک دن اتفاق سے میں نے اس کو دیکھ لیا۔ تو شفقتِ پدری جوش میں آگئی اور میرا دل اس سے مانوس ہو گیا اور وہ بھی مجھ سے بے حد پیار کرتی تھی مگر وہ جوں جوں جوانی کی طرف آتی جاتی تھی میرے دل کی دھڑکن بڑھتی جاتی تھی کہ اگر جوان ہو گئی اور قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی تو کیا ہو گا۔ میں نے قلب کو مضبوط کیا اور بچی کو گود میں لے کر بیابان مرگ کی جانب چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں معصوم بچی مجھے بار بار یہ سوال کرتی جاتی تھی کہ ابا جان آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں خاموش دل کی دھڑکنوں کو سنبھالے ہوئے منزل مقصود کی جانب بڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک قبرستان میں پہنچ گیا اور اس بے گناہ بچی کے لئے قبر کھودنی شروع کر دی ننھی بچی میرے پاس بیٹھی تھی جیسے قبر کی مٹی ہمارے کپڑوں پر لگتی تھی اس کو جھاڑتی جاتی اور کہتی جاتی تھی ”یا ابا ابنت املنتیک تراب“ ابا جان آپ کے مٹی لگ رہی ہے۔ صحابی فرماتے ہیں کہ قبر تیار ہو گئی اور میں نے ننھی بے گناہ بچی کو قبر میں اتارنا چاہا۔ بچی چیخ کر رونے لگے اور کہنے لگی۔ یا ابا ماذا تفعل ابا جان یہ آپ کیا کر رہے ہیں مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور نہ جہالت نے میرا ساتھ چھوڑا۔ میں بچی کو گڑھے میں ڈال

کر فوراً اس پر بڑے بڑے مٹی کے تودے ڈالنے لگا۔ بچی انتہائی مصیبت میں رو رو کر ماں کو پکار رہی تھی اور بے میں بے دردانہ طور پر جلد جلد اس کو تہہ خاک کرنے میں مصروف تھا۔ آخر میں نے اس کو زندہ دفن کر دیا۔ اور گھر واپس چلا آیا کچھ دن دل میں اس ظلم کی کرید رہی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ محو ہو گئی مگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی منظر میری نظروں کے سامنے آ گیا ہے اور اس کو یاد کر کے رو رہا ہوں کیا میری بخشش ممکن ہے؟ کیا خداوند عالم مجھے معاف فرمائے گا؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس روح فرسا واقعہ کو سن کر آبدیدہ ہو گئے اور چہرے مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر بڑی شفقت سے فرمایا ہاں اسلام سے پہلے جو کچھ تم نے کیا ہے رب العزت اسے معاف فرمائے گا کیونکہ وہ جہالت کا دور تھا۔ اس واقعہ کو یہاں پر ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دنیائے عرب کی زندگی کا پتہ چل جائے اور معلوم ہو جائے کہ عرب نے عورت کی بے عزتی اور بے قدری کا کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ ماں بہنوں کے ساتھ بیویوں کا برتاؤ کرتے۔ اور اس پر قصائد لکھ کر فخر کیا جاتا مائیں بہنیں اور تمام محارم ان کے ہاں وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ جس طرح چاہتے اپنے تصرف میں رکھتے۔

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ظلم و تعدی سے انسان کو بچانے اور عورت کشی کو روکنے کا عزم بالجزم کر لیا اور عرب کے مردہ احساس کو زندہ کر کے فرمایا ”اے انسانیت کے دشمنو بتاؤ کہ ایک بے زبان معصومہ کو تم زندہ درگور کر کے کس انسانیت کا ثبوت دیتے ہو یاد رکھو۔ ایک ایسا بھی دن آنے والا ہے کہ جب انقلاب کے اوراق الٹ جائیں گے خداوند عادل و جبار کا تخت انصاف بچھ جائے گا۔ قاتل و مقتول دونوں حاضر لائے جائیں گے۔ عدالت ان سے باہی

ذنب قتلت کے معنی پوچھے گی اور مقتول قاتل کا دامن تھام کر یہ سوال کرے گا کہ آخر کس گناہ کے بدلے تم نے ہم کو زندہ زمین میں گاڑ دیا تھا۔ عرب حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کو سننے کے بعد دختر کشی سے باز آگئے اور عورت کی جان میں جان آگئی۔ یہ تھا اسلام کا اعجاز جس نے عورتوں کی کالعدم زندگی میں روح حیات پھونکی اور اس کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

تاریخ یہود

یہود کے نزدیک عورت ایک گندی اور ناپاک ہستی تھی۔ جس کے سایہ سے بھی بچنے کی کوشش کی جاتی خاص طور پر لیام حیض میں وہ سلوک ہو تا جس پر کتے بلی کو بھی ترجیح ہو سکتی ہے گھر کے کام کاج سے الگ کر کے کسی علیحدہ مکان میں بند کر دیتے اور کسی بانس وغیرہ سے باندھ کر دور ہی سے اس کو ٹھڑی میں کھانا پہنچاتے گرمی کا خیال نہ سردی کا احساس گویا یہ ایک وہ شے ہے جس کو سردی گرمی سے واسطہ نہیں۔ دم گھٹ کر جان دے یا ٹھنڈا ٹھنڈا کر مرے۔ ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ جسم مثل ہو رہا ہے لقوہ ہو چکا ہے فالج گر گیا ہے مگر یہود کا برتاؤ اس صنف نازک سے نہایت بے رحمانہ ہے حسن سلوک کی گنجائش ہی نہیں۔ اسلام نے عورت کو اس بے ہودگی سے بھی نجات دلائی فرمایا عورت اس حالت میں اتنی ناپاک نہیں جتنی یہ کو تاہ نظر سمجھ رہے ہیں لیام ماہواری میں جو ایک عارضی نجاست ہے صحبت و ہم بستری کے علاوہ عورت کو گھر کے امور میں پورا پورا دخل ہے۔ وہ تمام معاملات کو نبانے کی مستحق ہے۔

تاریخ مجوس

عورت کی بے حرمتی بے قدری میں تاریخ مجوس بھی اسی طرح داغدار ہے جس طرح دنیا کے دوسرے مدعیوں کی محارم کی تمیز۔ مدارج و مراتب کا خیال ان

میں بھی عنقا تھا۔ عورت صرف ہوس رانی کا ایک آلہ اور جذبات کے پورا کرنے کا کھلوتا تھی۔ ماں بیٹی، بہن، چچی، پھوپھی سب ایک ہی غرض کا شکار تھیں۔ کسی کی عصمت کو اپنی نفس پرستی پر قربان کر دینا اور خلاف امید افعال پر قتل و نہب ایک معمولی سی بات تھی۔ اسلام نے اس حیوانیت و شہوانیت کو نہایت معیوب بیان فرمایا اور بزرگ رشتوں کی حرمت پر سختی سے توجہ دلائی معصور متعلقات کی عصمت اس گندگی سے بچانے کے لئے آواز اٹھائی کہ ایسا نہ کرو اس سے ایک غلط معاشرہ بنے گا۔ ناپاک سوسائٹی کی داغ بیل پڑے گی۔

تاریخ ہنود

ہندو قوم وہ قوم ہے جس کے ساتھ ہمارا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے لہذا اس کا تمام کلچر ہمارے سامنے ہے اس کے لئے کسی تاریخ کی گہری ورق گردانی کی ضرورت نہیں ہم جس قدر اس کے تعلیم و عمل سے واقف ہیں وہ بلا دلیل بیان کیا جاسکتا ہے تاہم کسی قوم کے قول و فعل کی ذمہ داری مذہب پر رکھتے ہوئے اسکی مذہبی کتب پر نظر ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ منوشاستر دیدستیار تھ پرکاش، رامائن، گیتا اس مذہب کی مشہور کتابیں ہیں جن سے پتہ چل جائے گا کہ ہندو دھرم میں عورت کی کیا شان ہے اور اس کے مذہبی بانیوں نے عورت کو انسانیت میں کیا درجہ دے رکھا ہے منوشاستر میں عورت کو سانپ اور بچھو سے بدتر ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس قوم میں بھی یہ صنف نازک یہود و مجوس کے مقابلہ میں کم ذلیل و خوار نہیں۔ اس قوم میں عورت کی حیثیت ایک پالتوبلی سے بھی بدتر ہے اس قوم کی عورت کے لئے بیوہ ہونا موت سے بھی بدتر تھا۔ اس کامرنے والا شوہر تو اپنی موت مرتا مگر عورت کو قومی روایات کے ماتحت اس کے ساتھ خود بخود مرنا پڑتا تھا اور یہ رسم سستی اس کی قربانی یا وبالہانہ محبت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ مذہبی اور روایتی تشدد تھا جو طوعاً و کرہاً اس کو قبول کرنا پڑتا تھا یہی وجہ

ہوئی کہ اس ظالمانہ عمل کو ہندو مذہب سے دور کرنے کی سعی حکومت انگلیہ نے کی اور اس کو ختم کر رکھ دیا۔ اگر یہ کوئی خدائی حکم ہوتا تو ہندو قوم اس کے قیام کے لئے مرثی مگر ایسا نہیں ہوا عورتیں اب بھی موجود ہیں اور خاوند اب بھی مرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج کی عورت آج کے مرنے والے خاوند کے ساتھ نہیں مرتی۔ اس وقت عورت کا کام صرف یہ تھا کہ خاوند مرنے کے بعد وہ بھی بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جائے اور بڑوں بوزھوں کی نافرمانی پر اپنے آپ کو جلا دے۔

ہندو قوم میں عورتیں آج تک محروم الوراثت ہیں۔ ان کو وراثت کا مستحق جاننا ہندو دھرم کے خلاف ہے اور وہ تمام خاندانی مراعات سے بے دخل ہیں وہ ماں باپ کی محبت کے پیش نظر (پن دان) صدقہ پاسکتی ہیں۔ لیکن حصہ دار نہیں بن سکتیں۔ علاوہ ازیں ان کی بیوی۔ ان کی بے اولادی ان کا دیو داسی بننا اور ہندو مذہب کے مسئلہ نیوگ دیوی چکر میں پھنسا ایک وہ مصیبت ہے کہ دنیا بھر کا کوئی مذہب اپنی آغوش میں لی ہوئی عورت کو اس کا تصور بھی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیا یہ ماننے کی چیز ہے کہ ایک ظالم خاوند جو عورت کو نہ آباد کرے۔ نہ خرچ دے نہ اس کو علیحدہ کرے تاکہ وہ اپنی زندگی گزارنے کی کوئی آرام دہ راہ تلاش کر سکے۔ مگر مذہبا عورت اس کہ ایسی پابند رہے کہ وہ جذبات کی مجبوری میں ارتکاب گناہ تو کر سکے۔ لیکن تمام عمر صحیح طریق کار کا منہ نہ دیکھ سکے۔ ہندو پنٹھ میں ایسے ظالم خاوند سے نجات کی کوئی صورت نہیں اور اگر بد قسمتی سے بارہ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہو جائے تو پھر اس کے لئے تمام عمر تنہائی کا فرد جرم ہے۔ اس کے لئے ہندو مذہب میں کوئی قانون ہی نہیں جس کی رو سے وہ شوہر کے مرنے کے بعد اپنے لیام زندگی مسرت و شادمانی کے ساتھ کاٹ سکے۔

آج یہ ماننا پڑے گا اگر ہندو عورت کو بھی وراثت نکاح ثانی طلاق کے ذریعہ

عالم خاندان سے رہائی، رسم سستی سے تحفظ وغیرہ وغیرہ کی مراعات دے کر کسی مذہب نے امن و چین کی زندگی کا سبق پڑھایا ہے تو وہ مذہب اسلام ہے۔

تاریخ عیسائیت

اب ذرا اس قوم کے معیار زندگی پر نظر ڈالئے جس کی اختیار کردہ طرز زندگی پر دور حاضرہ کی خواتین منہ کھول کر اسلام پر اعتراض کر رہی ہیں اور جس قوم کے احسانات سے مشرقی خواتین کے سر جھکے جا رہے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ دنیا بھر کی اقوام میں صرف عیسائی ہی وہ قوم ہے جس نے عورت کی وہ قدر کی جس کی مثال دوسری اقوام میں نہیں ملتی۔ اس قوم نے ہی عورتوں کو موقع دیا ہے کہ وہ مردوں کے دوش بدوش چل کر ملک کو ترقی دیں۔ مگر وہ نہیں جانتیں کہ عیسائی قوم کی تاریخ اس معاملہ میں کس قدر تاریک ہے۔ اخلاق سے گری ہوئی تہذیب کا قبول کر لینا اپنی مرضی کی بے راہروی کو پسند خاطر رکھنا اور چیز ہے اور کسی قوم کے بنیادی اصولوں کو زیر نظر لا کر پھر مستحسن سمجھنا اور چیز ہے اگر مشرقی خواتین نے عیسائی ڈھول کا پول بھی محققانہ سے مطالعہ کیا ہو تا تو اس بناوٹ پر قربان نہ ہوتیں۔

آئیے چند صدیاں پیچھے ہٹ کر عیسائیت کی تاریخ پر نظر ڈالئے اور نتیجہ نکالئے کہ کیا عیسائی قوم ایسی ہی روشنی کا مینار ہے جس کی جانب سفر کرنے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے یا یہ تاریکی کا وہ بھیانک ستون ہے جس سے ہر سمجھدار پرے ہٹنے کی سعی کرتا ہے اور کیا اسی کا نتیجہ پاکستان کی آزادی نہیں۔

سنئے! تاریخ شاہد ہے کہ رات دن عفت مآب خواتین کی عزت انہی عیسائیوں کی وحشت کاریوں کی نذر ہوتی تھی۔ جن کی تہذیب کے گیت گائے جا رہے ہیں مکار پادری ہر برائی کے لئے ان کے پیچھے پڑے رہتے اور اسی خیال پر تارک الدنیارہنے کا مسئلہ بھی ایجاد کیا گیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ

السلام ان کے عالم معاصی و جرائم کا کفارہ دے چکے ہیں عیسائی دنیا پر کچھ عرصہ
تجدد کی زندگی کا بھی گزرا ہے جس میں عورتوں سے قطع تعلق ہونا کھانا پینا اٹھنا
'بینھنا زہن سہن' سب ترک کر دیا گیا اچھا بھلا آباد گھر ویرانہ بن گیا۔ عورتوں کی
زندگی اس قدر تنگ ہو گئی کہ ان کو اخلاقی کمزوری بے حیائی اور آوارگی کو اپنانا پڑا۔
معاشرت میں ایک سخت اختلال پیدا ہو گیا۔ پرورش کے خطرہ سے بچے قتل
ہونے شروع ہو گئے۔

اور وہ بد عنوانیاں ظہور پذیر ہوئیں کہ اگر اس محدود ترین زمانہ میں اسلام
ان کے آڑے نہ آتا تو عیسائیت عورتوں کے جذبات، خیالات، احساسات کے
خون سے ہولی کھیل چکی ہوتی۔ یہ ہم ہی نہیں کہتے یورپ کا نامور مورخ جان
ڈریپر اپنی مشہور تصنیف یورپ کی عملی ترقی میں اعتراف کرتا ہے کہ آج یورپ
نے طبقہ نسواں کو جو عزت بخشی ہے وہ یقیناً اس قرآنی تہذیب و تمدن کی عکاسی
ہے جس کے تاثرات سر زمین یورپ پر نہایت گہرے موجود ہیں۔ قرآن کی
خدمات بیشک نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے کے قابل ہیں یہ خدمات
قرآن نے اس وقت انجام دیں جب کہ عورتیں ڈنگروں اور مویشیوں سے بھی
زبوں تر خیال کی جاتی تھیں۔

ایک اور یورپ کے مورخ ڈاکٹر ہیلی نے بھی اپنی تاریخ اسپین میں اعتراف
کیا ہے کہ عیسائیوں نے سپاہیانہ اخلاق میں عورت کے احترام کا سبق ہسپانیہ کے
مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے جن کی انتہائی تہی کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی
بھی میدان کارزار میں اپنی عورت کے ساتھ نہایت خلق و نرمی سے پیش آتا تھا اور
ماں کی تعظیم تو پرستش کی حد تک پہنچ چکی تھی اور کیوں نہ پہنچتی مسلمانوں کو تعلیم
ہی یہ دی گئی تھی کہ تمہاری جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور جن مسلمانوں
کا سلوک عورتوں سے اچھا ہے وہی اچھے مسلمان ہیں۔ آج تہذیب جدید کی دنیا

میں احترام نسوانیت کا ایک شور برپا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت کو وہ حقوق کہیں بھی نہیں مل سکے اور نہ مل سکیں گے جو اسلام نے اس کو عطا فرمادیئے ہیں کیا مندرجہ بالا تاریخی حقائق کے پیش نظر دور حاضرہ کی آزاد خیال خواتین اب بھی یہی فیصلہ دیں گی کہ اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور سخت گیر ہے اور اس نے ان کے جذبات و خیالات و احساسات کا واقعی کوئی خیال نہیں رکھا۔

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

عورت کی عزت و مرتبت

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے آج تہذیب جدید کی دنیا میں احترام انسانیت کا ایک شور برپا ہے کہ اسلام میں مردوں کے لئے تو سب کچھ ہے اور اسلام مردوں کی پوری رعایت کرتا ہے مگر اس میں عورتوں کے لئے کچھ بھی نہیں۔ عورت ایک مظلوم ہستی ہے جس کے ساتھ اور تو اور مساویانہ سلوک بھی روا نہیں رکھا جاتا ناقص العقل اور ناقص الدین اس کے خطابات ہیں۔ جب فطرت نے مرد اور عورت کو یکساں حقوق عطا کئے ہیں اور تمام دنیا کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش رفیق زندگی ہو کر رہتی سہتی ہیں تو اسلام انہیں کیوں ایسی مراعات سے محروم رکھتا ہے جو اس کا فطری حق ہے۔ مردوں کا بازاروں میں آزادانہ چل پھر کر لین دین کرنا۔ دفتروں، کارخانوں، فیکٹریوں میں کام کاج کر کے روزی کمانا اگر جائز ہے تو عورتوں کے لئے یہ سب کچھ کیوں ممنوع ہے۔ ان کو گھروں میں کیوں مقید کیا جاتا ہے کیا مجلسی زندگی سے محروم رہنے والی ایک بد قسمت صنف نازک ہی ہے پردہ نقاب خاموشی، گھریلو پابندی، چار دیواری کی قید، برقعہ کی لپیٹ یہ سب سزائیں اسی کے لئے تجویز کی گئی ہیں۔ آخر بتایا تو جائے کہ عورت کیوں ان بے رحمیوں کا شکار بنائی گئی ہے وغیرہ وغیرہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام نے عورتوں کے حقوق پر توجہ نہیں کی اور اگر اسلام نے ان کی فطری استعداد کے مطابق ان کو مردوں کے برابر امن چین کی زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہیں دیا تو پھر عورت ساری دنیا و مافیہا سے بھی کچھ نہیں پاسکتی۔ مذہب جس کی بنیاد فطرت کے

اصولوں پر ہو اور جس کام درجہ کے انسان کا تحفظ ہو وہ طبقہ نسواں کو اس کے جائز حقوق سے کیونکر محروم کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون میں جو درجہ عورت کو حاصل ہے وہ کسی قانون میں بھی عورت کو حاصل نہیں ہوا ہندو قانون میں عورت بے چاری خود مختاری کے قابل ہی نہیں سمجھی گئی اور ماں بن کر بھی اس کو اولاد کی زیر نگرانی ہی رہنا پڑتا ہے۔ نہ وراثت میں حصہ ہے نہ عقد ثانی کا اختیار یونانی عورت دوسری استعمالی اشیاء کی طرح فروخت کر دینے والی اور عاریتہ منتقل کی جا سکنے والی چیز تھی۔ مرد بیک وقت جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا تھا۔ رومیوں اور عربوں دونوں میں عورت جائیداد کی حیثیت رکھتی تھی اور مرد کو اس کے قتل کا کامل اختیار تھا عیسائی عورت کو حد سے زیادہ نازک صورتحال میں بھی طلاق نہ ہو سکتی تھی اور وہ ہر جگہ پوری بد سلوکی کی مستحق گردانی جاتی تھی اس پر طرہ یہ کہ صدیوں تک یورپ عورت میں روح کی موجودگی کا قائل ہی نہیں رہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بھر کے قوانین میں قانون اسلام ہی ایک وہ جائے پناہ ہے جہاں عورت کو راحت کی زندگی گزارنی نصیب ہو سکتی ہے اور جہاں وہ بیک جنبش قلم اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے جو تہذیب جدید اپنی خود پرستیوں کے باوجود قیامت تک نہ دے سکے۔ یہ اسلام ہی کی فیاضانہ بخشش ہے کہ نہ صرف حسن سلوک کا حکم دیتا ہے بلکہ وراثت میں طلاق گھریلو زندگی میں اولاد پر حکمرانی میں مردوں کے برابر با اختیار سمجھتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے حقوق اور اپنی نسوانیت کے اعتبار سے دنیا کی ہر قوم کی عورت سے بدرجہا مختار ہے یہ انسان ہے اور بلند مرتبہ انسان نہ محض افزائش نسل کا ذریعہ ہے نہ منتقل ہونے والی جائیداد نا جائز طور پر فروختگی اور محکوم رہنے والی شے نہیں اور نہ اس کی ذات بے روح اور بے حقیقت ہے غرضیکہ اسلام ہی اپنا جزو سمجھنے اور زندگی کی ہمسفر بنانے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کی دنیا کو جنت بنانے اور قدر و منزلت

کرانے میں عزت کی جگہ دے کر مرد کے دوش بدوش کھڑا کرنے کا انعام کیا ہے اگر دور حاضرہ کی آزاد خیال خاتون اسلام کی پر حکمت تعلیم کے نکات پر غور کرتی کہ اسلام نے مرد کو اگر عورت پر فضیلت بھی دی ہے غالب بھی بتلایا ہے عورت کو اس کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور کہنا نہ ماننے پر تنبیہ کا اختیار بھی عطا فرما کر سردار بنا دیا ہے تو کیا عورت کو کچھ نہیں دیا؟ اور ضرور دیا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اس عورت کو پہاڑ کی جلتی دکھائی دیتی ہے اور پاؤں کی جلتی نظر نہیں آتی اسلامی عورت حقوق میں مرد کے برابر بنائی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ ولہن مثل الذی علیہن پھر فرمایا اس کی ہمت کا ادنیٰ نقش ہے ہن لباس لکم و انتم لباس لہن یعنی دونوں مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں گویا دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے جس طرح لباس جسم ڈھانکتا اور سردی و گرمی سے بچاتا ہے اسی طرح مرد عورت کا اور عورت مرد کا پردہ سے جو سرد گرم زمانہ میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوتے ہیں دونوں کو ایک دوسرے سے آرام ملتا ہے دونوں فطرتاً ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مرد کی عزت عورت کی عزت سے اور عورت کی عزت مرد سے ہے۔ گویا عورت محکوم ہو کر بھی گھر کی ملکہ بن گئی ہے اور مرد پر زندگی گزارنے میں اس کے حقوق قائم ہو گئے ہیں جن کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔ عورت اگر ایک طرف مرد کی محکوم ہے تو دوسری طرف اولاد کی حاکم بھی ہے جو اس کو میراث اور کنیز سمجھتی تھی۔

اب وہ نہ تو قدیم عورت کی طرح بالکل بے اختیار نظر آتی ہے اور نہ جدید عورت کی طرح خود ستر بلکہ دونوں ایک حد تک مساویانہ درجہ میں رکھ دیئے گئے ہیں اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام کے قانون میں والدین اور اولاد کے بعد اگر سب سے بڑا تعلق کوئی ہے وہ زن و شوہر کا ہے تو بے جا نہ ہوگا لیکن شوہر کی ذمہ داریاں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں اور اس کو زندگی کے مختلف شعبوں میں زیادہ محنتیں اور

جانکا ہیاں کرنی پڑتی ہیں۔ اس لئے گھر کی صدارت فرما کر چند اہم قیود و شرائط کے ساتھ بنظر اصلاح و انتظام کچھ اختیارات بھی عطا فرمادیئے ہیں۔ مثلاً فرمایا الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا من اموالہم فالصلحت والتی تخافون نشوزہن فعضوہن واهجر وہن فی المضاجع واضربوہن فان اطعنکم فلا تتبعوا علیہن سبیلاً۔ مردوں کو گھروں کی امارت و صدارت عطا کی گئی ہے اس لئے کہ اول تو قدرت و قانون کی رو سے ایک کو دوسرے پر اللہ تعالیٰ فضیلت عطا فرماتا ہی رہتا ہے اور یہ چیز خود مردوں اور عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ وہ عورتوں کی ضرورت زندگی اور خورد و نوش پر اپنی کمائی بھی خرچ کرتے ہیں۔

پس نیک اور فرمانبردار عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے گھر مال اور ناموس کی حفاظت کرتی ہیں لیکن اب جو عورتیں کہنا نہ مانیں تو نصیحت کرو پھر ان کی خواب گاہ کو تنہا چھوڑ دو۔ اس پر بھی محسوس نہ کریں اور متنبہ نہ ہوں تو پھر ان کو مارو۔ اگر تیسرے اس مقام پر وہ آمادہ بہ اطاعت ہو جائیں تو پھر ان کی طرف سے نہ دل میں کوئی کینہ رکھو اور نہ انہیں متہم کرنے اور الزام تراشی کے مواقع تلاش کرو۔

گویا یہ آیت باہمہ گر سلوک و عمل کے لئے بالکل واضح ہے تاہم عورت کی خلقی کمزوری درگونہ بے اختیاری کی بناء پر ظالم و جاہل خاوندوں کے قہر و ظلم کو روکنے کے لئے یہ احکام بھی صادر کر دیئے۔ ولا تضاروہن لفتقوا وعاشروہن بالمعروف یعنی عورتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ تنگ نہ کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ پھر بالفاظ محصنین غیر مسافحین شادی کا مقصد بھی واضح فرمادیا کہ عورت اور مرد محض تکمیل خواہش نفسانی کے لئے یکجانہ رہیں۔ بلکہ قاعدہ نکاح کر کے مستقل طور پر رہیں۔

۱۔ پ ۲۵، سورۃ النساء آیت ۳۳ ج ۲ پ ۲۸، سورۃ اطلاق آیت ۶ ج ۲ پ ۴، سورۃ النساء آیت ۹ ج ۲ پ ۲۵، سورۃ النساء آیت

مرد کو حسن سلوک کا حکم دیا ہے کہ وہ قوی ہے اور عورت کو اطاعت و فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے جسمانی و عقلی نقص کی بنا پر گمراہ نہ ہو جائیں اور مردان کو جب تک کام کی تاکید کرے اس پر کاربند ہو کر وقت گزارے اور جس برائی سے روکے۔ اس کو ترک کر دے اور دونوں پوری بے تکلفی اور دل جمعی کے ساتھ شریک زندگی بنے رہیں نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ زندگی نہایت خوشگوار زندگی ہوگی۔

ایک طرف تو دونوں خود اولاد کی حیثیت سے ماں باپ کی فرمانبردارانہ خدمت سے اطاعت و خدمت کا سبق سیکھ کر اور اس کے خوگر بن کر آئے ہوں گے دوسری طرف ان کا نمونہ ان کی اولاد کے لئے مشعل راہ بنے گا مگر ضروری پابندیاں یہاں بھی سب پر قائم رہیں گے اس طرح پوری نسل کی نسل نیک اور لائق ہوتی چلی جائے گی غور کیا جائے تو دوسری اقوام میں میاں بیوی کے اندر یہ توازن قائم نہیں رکھا گیا کہیں عورت انتہائی نشیب میں ہے اور مرد انتہائی بلندی پر اور کہیں مرد و ذلیل ہے عورت حد سے زیادہ بے راہرو۔ عیسائیوں میں تو عورت کا نام تک مرد کے نام میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے اور ہندومت میں اس کے لئے نہ کوئی حصہ ہے نہ نجرہ نہ دراشت نہ ترک نہ مہرنہ گزارہ۔ بلکہ عورت کی عبادت تک مرد کی اطاعت میں جذب کر دی گئی ہے جس سے اولاد کو بے انصافی کا پہلا سبق ماں کی گود ہی سے ملتا ہے۔

ایک ذی فہم انسان اس کا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو گا کہ اسلام نے عورت کے حقوق شناسی اور حق ادائی کے متعلق نہایت عجیب رنگ میں ایک تدریجی صورت اختیار فرمائی جس کی کسی دوسرے مذہب میں مثال نہیں ملتی پہلے عورت کی تکالیف دور کیں پھر ان کو خلع حاصل کرنے کا حکم دے کر ایک اختیار کی طرف قدم اٹھایا پھر معاشرتی آزادی کے ساتھ مالی حیثیت بڑھانے کے لئے مہر کا تعین

فرمایا اور اس کی عورت کی مرضی پر چھوڑا اور نکاح میں اس کی مرضی اور اس کے کو نہایت ضروری قرار دیا اور اس کا انتظام خود کرنے یا کسی دوسرے کے زیر اہتمام دینے کا پورا پورا اختیار دیا۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ معاشرتی اور مالی ارتقاء تو ہو گیا۔ مگر ابھی علمی، اخلاقی مذہبی میدان باقی ہیں۔ جن میں مرد کا کلی تفوق ظاہر ہو رہا تھا۔ یہاں بھی مساوات اور بالکل مساوات پر لے آیا گیا اور علوم و فنون کا حاصل کرنا مرد عورت دونوں پر یکساں فرض کر دیا گیا مذہب میں مرد ہی کی طرح عورت بھی نماز، حج، زکوٰۃ اور دیگر تمام امر و نواہی کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی اور من عمل صالحاً من ذکر او انشی وهو مومن فلنجینہ حیوة طیبہ فرما کر واضح کر دیا کہ جس نے بھی نیک اور شریفانہ عمل کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ اس کا اللہ جل شانہ اور رسول علیہ السلام اور آخرت پر ایمان بھی ہو۔ اس کی زندگی اچھی ہوگی اور ہم اس کو ایک اعلیٰ اور خوشگوار زندگی گزارنے کے قابل بنادیں گے گویا اسلام نے قطعی طور پر اس امر کا فیصلہ فرما دیا کہ عورت اور مرد دونوں دینی اور دنیاوی ترقی یکساں طور پر کر سکتے ہیں اس لئے کہ دونوں میں اس کی پوری اہلیت اور دونوں اس میں برابر ہیں۔

یہی سبب ہوا کہ اسلام نے عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مادی اعتبار سے بڑی بڑی دولت مند علمی اعتبار سے بڑی بڑی فاضلہ و یگانہ روزگار روحانی اعتبار سے بڑی بڑی پاکباز و عبادت گزار اور عسکری اعتبار سے بڑی بڑی شہسوار و نبرد آزما عورتیں پیدا فرمادیں جنہوں نے طبقہ رجال سے اپنی عظمت و قابلیت کا اعتراف کر لیا۔

نسوانیت کا لحاظ اور مرد و عورت میں تقسیم عمل

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فطرت نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ ہر شے کے ذمہ ایک خدمت ہے جس کو اپنے حدود میں رہ کر انجام دینا اس کا فرض ہے

جس طرح اور مخلوق ہے اسی طرح انسان بھی فطرت کے اس کارخانے کا ایک بہت بڑا رکن ہے جس کے ذمہ بقائے نسل اور تعمیر و تمدن کا عظیم الشان کام ہے اور اس کام کی بنیاد فطرت نے مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اشتراک عمل پر رکھی ہے جب تک یہ عمل فطرت کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے نسل چلتی ہے اور تمدن ترقی کرتا ہے اور جب خلاف ہوتا ہے تو نسل تباہ اور تمدن برباد ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان ہونے میں مرد و عورت مساوی ہیں۔ تمدن کی تعمیر و تاسیس تہذیب کی تشکیل اور انسانیت کی خدمت میں دونوں برابر کے شریک ہیں دل، دماغ، عقل، جذبات، خواہشات و بشری ضروریات دونوں رکھتے ہیں۔

تمدن کی اصلاح کے لئے دونوں کی تہذیب، نفس، دماغی تربیت اور عقلی و فکری نشو و نما، یکساں ضروری ہیں۔ تاکہ تمدن کی خدمت میں ہر ایک اپنا پورا پورا حصہ ادا کر سکے۔ اس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ صحیح ہے اور صالح تمدن کا فرض یہی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی فطری استعداد اور صلاحیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دے عورت کو علم اور اعلیٰ تربیت سے مزین کرے۔ اس کو تمدنی اور معاشرتی حقوق عطا کرے اور معاشرت میں عزت کا مقام بخشے تاکہ اس میں بھی عزت نفس کا احساس پیدا ہو۔ اور اس کے اندر وہ بہترین بشری صفات ابھر سکیں۔ جو صرف عزت نفس ہی کے احساس سے ابھر سکتی ہیں لیکن سوسائٹی میں چونکہ عورت کو عورتوں سے زیادہ مرد کی صحبت اور مرد کو مردوں سے زیادہ عورت کی صحبت پسند و مرغوب ہوتی ہے اس لئے نسل و تمدن کی پاکیزگی کو ہر قسم کی آلائشوں اور فتنوں سے پاک رکھنے کے لئے اجتماعی فلاح کو انفرادی لطف اندوزی پر ترجیح دی جانی ضروری اور عورت مرد کے آزادانہ

میل ملاپ اور ارتباط و اشراج پر ضبط و اعتدال کے اصولوں کے ماتحت بعض قیود عائد کرنی لازمی تھیں۔ تاکہ ان کے باہمی روابط اور صنفی میلانات نہ تو حد سے اتنے بڑھ جائیں کہ ان کی روک تھام ہی مشکل ہو جائے اور اتنے کم ہو جائیں کہ فطرت کے منشاء کو پورا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

بدیں وجہ مذہب اسلام فطرت کے منشاء کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنے لائے والے کے ذریعے عورت اور مرد کو ان کے دوائے عمل اور فرائض و واجبات سے آگاہ کرتا اور ان کی جسمانی ساخت ذہنی و فکری قابلیت، صنفی تعلق و عمل طاقت و اہمیت اور جذبہ استقلال و قربانی کو مد نظر رکھ کر ان کو کام تقسیم کر کے ان کے عملی اشتراک اور تمدنی تعاون کی حدیں مقرر کرتا ہے کیونکہ مرد اپنی ساخت میں مرد اور عورت اپنی خلقت میں عورت ہے لیکن دونوں کا مرکز ایک اور دائرے مختلف ہیں۔ دونوں کا مقصد مشترک مگر راستے الگ الگ ہیں۔ دونوں کے کام کی نوعیت ایک ہے مگر طریقے جدا جدا ہیں۔ اگر ایک پہلو میں مرد بوزھا ہو اور عورت کمزور ہے تو دوسرے پہلو میں عورت بوزھی ہوئی اور مرد کمزور ہے دونوں کی تکوین میں کمی بیشی قدرت کی بہترین صنعت ہے جو دونوں کے اختلاف عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور دونوں بچپن ہی سے اپنے مخصوص رجحانات کا اظہار کرنے لگ جاتے ہیں وہ عورت ہی ہے جو سوسائٹی کے لئے مرد پیدا کرتی اور اس کی لوح صیقل پر شرافت یا رذالت کے اولین خطوط کھینچتی ہے مرد خواہ کتنی کوشش کرے تنہا یہ بلند مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا اور عورت چاہے کتنے ہاتھ پاؤں مارے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اپنی اڑان سے اونچی نہیں جاسکتی اور نہ کسی طرح بھی مرد کا بدل ثابت ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ عورت کی وقعت صنف میں اور مرد کی فضیلت قوت میں ہے پھر جو شخص قدرت کے اس نظام کو درہم برہم کرتا اور عورت و مرد کی مساوات کا دعویٰ

کرے خلقہائے عمل کو مخلوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ فطرت انسانی کو غلط سمجھا ہے جو عورت غیر متعلقہ اشغال میں الجھ جاتی یا اپنے حلقہ سے باہر نکل کر مردوں کے حلقے میں جادو ہمکی ہے اور اپنا کام چھوڑ کر مردوں کے کاموں میں دخل دینا شروع کر دیتی ہے وہ حکمت و جود کی خلاف ورزی کر کے اپنی بلندی مرتبت کو خیر باد کہہ دیتی ہے ایسے ہی جو مرد عورت کے حقوق سے چشم پوشی کر کے اپنے ذمہ دارانہ فرائض کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتا ہے وہ ہیبت اجتماعی کو نقصان پہنچا کر ترقی کو روکتا اور جماعت کا مجرم ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس سے خود سری اور بے اطمینانی بڑھتی ہے اور جس سے مرد و عورت کی خانگی زندگی برباد ہو کر رہ جاتی ہے عورت اپنا چین اور مرد اپنا اطمینان کھو بیٹھتا ہے اسی خلفشار کے پیش نظر اسلام نے عورت کو وہ سب کچھ دیا جو دنیا آج تک اس کو نہ دے سکی۔ مگر اس نے نہ اس کو بے عنان ہونے دیا اور نہ مرد کو بے لگام بنایا۔ کیونکہ عورت کو اگر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اور اسے اتنی آزادی دے دی جائے کہ وہ جو چاہے کرے اور جہاں چاہے جائے تو طوائف الملوکی پھیل جائے۔ ہڑ بونگ مچ جائے اور بنے بنائے کھیل بگڑ جائیں۔ جماعتی زندگی میں ہر وہ فعل جو کسی دوسرے فرد کی کارکردگی کو گھٹائے یا جس کا وجود جماعت کی زندگی پر بارگراں ہو جائے روا نہیں رکھا جاسکتا۔ جماعت کسی شخص کی آزادی یا ذوق و جمال و کمال کی خاطر کوئی نقصان برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ جب گھر سے باہر کی زندگی میں فطرت نے عورت کے لئے کوئی کام نہیں رکھا۔ تو اس کو زبردستی باہر نکل کر مردوں میں دخیل ہونے اور اپنی مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے بغرض محال اگر اس طرح عورت کی اقتصادی اور مالی اہمیت کچھ بڑھ بھی جائے تو گھر کی سلطنت کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہوں گی۔ ان کی کمی کون پورے کرے گا۔

مغرب نے نسوانیت کی رعایت کئے بغیر عورت کو غیر معمولی آزادی دے دی اور مرد کی گرفت ڈھیلی کر دی جس کا خمیازہ بھگت رہا ہے جس طرح بچے ہر قسم کے حقوق رکھتے ہوئے بھی آزاد چھوڑ دیتے پر خراب ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی برباد کر کے ماں باپ کے لئے بھی موجب رنج بنتے ہیں۔ اسی طرح عورت بھی ہر نوع کے حقوق رکھتے ہوئے شوہر کی عدم اطاعت اور اپنی آزاد روی سے خود سر ہو کر خود بھی خراب ہوتی ہے اور مرد کے لئے بھی آرام جان ہونے کی بجائے آزار دل بن جاتی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص عورتوں کے باہر نکلنے پر زور دیتا ہے تو وہ فطرت انسانی نظام معاشرت اور پردے کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے اور جو عورت گھر سے نکلے بغیر اپنی زندگی کے پروگرام کو نامکمل سمجھتی اور مردوں کی محفل کا سنگار بنے بغیر اپنی نسوانیت کو ضائع ہوتا ہوا خیال کرتی ہے اس کے مقاصد کو محض مجلسی تصور کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

عورت کے مدارج

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بے زبان اور غریب طبقہ نسواں کی مظلومیت ملاحظہ فرمائی تو قوم کو پیغام دیا کہ مرد اور عورت ایک ہی اصل اور ایک ہی جوہر سے ہیں اس لئے مردوں کو چاہیے کہ عورت کو کمزور سمجھ کر اس پر حکمرانی کی نہ ٹھانے اور اس پروردگار عالم سے ڈرے جس نے دونوں کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے۔ مولا کریم نے تمام تر روحانی مدارج اور فلاح اخروی میں عورتوں کو مردوں کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور کسی قسم کی تفریق نہیں فرمائی قرب خداوندی کا انعام دونوں کے واسطے یکساں طور پر ہے نجات اخروی اور فلاح عقبی کا مرد ہی اجارہ دار نہیں بلکہ دونوں میں سے وہ زیادہ مستحق ہے جو زیادہ نیک کام کرے اور زیادہ متقی ہو۔ فطری جسمانی کمزوریاں اور تخلیقی

خامیاں عورت کی ذلت کا تمغہ نہیں بلکہ اس کی نزاکت کا روشن پہلو ہیں۔ جن کا پایا جانا خاطر فطرت نے اس کے لئے ضروری سمجھا اگر یہ اس میں نہ ہوتیں تو وہ چراغ خانہ نہ بن سکتی قدرت نے اسلام میں جو مدارج اس کی کمزوریوں کے باوجود اس کو مرحمت فرمادیئے ہیں وہ ایک جمال ہے جس کی تفصیل نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ بخوبی واضح ہو جائے کہ عورت کی مختلف سہ گانہ حیثیتوں میں علیحدہ علیحدہ بانٹی اسلام نے اس کا کیا درجہ اور حق قائم فرمایا ہے۔

لڑکی کی حیثیت میں

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو مولا کریم نے لڑکیاں عطا فرمائی ہوں وہ ان کی باحسن وجوہ پرورش کرے وہ لڑکیاں اس کے اور دوزخ کے درمیان آڑ بن جائیں گی پھر ایک حدیث قدسی ہے کہ جس نے دو لڑکیاں پالیں وہ شخص اور میں جنت میں ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین نیکی کیا ہے کہ تیری لڑکی جو تیرے پاس آئی ہو اور تیرے سوا اس کا کوئی دنگیر نہ ہو تو اس کی دنگیری کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو خداوند عالم نے لڑکی عطا فرمائی اور اس کو زندہ دفن کیا اور نہ ہی اس کو ذلیل سمجھا اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دی وہ بہشت میں داخل ہو گا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ کوئی بال بچے دار شخص جب کوئی چیز بازار سے لائے تو واجب ہے کہ اس کی تقسیم کی ابتدا لڑکی سے کرے کیونکہ جو لڑکی کو خوش رکھتا ہے وہ گویا حق تعالیٰ سے ڈر کر رہتا ہے اور آتش دوزخ اس پر حرام ہوتی ہے۔

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا جب بھی حاضر ہوتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبت سے کھڑے

ہو جاتے اور حضرت سیدہ کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ کیا اس سے بڑی عزت کسی مذہب میں لڑکی کے لئے ممکن ہے) اس کے علاوہ سب سے زیادہ حق رسائی یہ ہے کہ لڑکی اسلام میں محروم الوراثت نہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ کریم تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے کہ ایک بیٹے کے لئے دو بیٹیوں کا حصہ ہے اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے واسطے دو تہائی اور ایک ہو تو نصف۔ کیا ایدان عالم اور اقوام دنیا میں کہیں بھی یہ تقسیم ملتی ہے؟ یہ وہ حیثیت ہے کہ جس پر کسی بناوٹی نقد و نظر کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

بحیثیت ماں کے

سوسائٹی میں عورت کی ایک اہم حیثیت ماں کی ہے جتنی اہمیت اور جتنا احترام حضور علیہ السلام نے ماں کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ ایک نہایت بلند ڈگری ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کر اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی تیرے پاس بڑھاپے میں پہنچیں تو ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا اور ان کے ساتھ سختی سے نہ بول بلکہ نرمی سے ان کے ساتھ بات کر اور عاجزی کا بازو ان کے لئے جھکا دے اور ان کے لئے دعا کر۔ کہ اے رب ان پر رحم فرما جیسے رحم سے بچپن میں انہوں نے مجھے پالا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کن موثر الفاظ میں جاہل لوگوں کو سمجھایا ہے کہ دیکھو جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے اپنی ضعیفہ ماں کو سات حج بیت اللہ شریف کے اپنے کندھوں پر بٹھا کر کرائے ہیں کیا۔ میری طرف سے ماں کا حق الخدمت ادا ہو گیا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو تم اتنا معاوضہ بھی ادا نہیں کر سکتے جتنا تمہاری ماں نے تمہیں گیلے بستر سے اٹھا کر سوکھے کی جانب لٹا دیا تھا۔ اسی طرح

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حاضر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے عرب کا فلاں ریگستانی علاقہ اپنی ضعیفہ ماں کو کندھوں پر اٹھا کر عبور کر لیا ہے اور میرے پاؤں گرم ریت سے آبلے پڑ کر زخمی ہو گئے ہیں۔ کیا میں نے اپنی ماں کا کوئی حق ادا کیا ہے۔ فرمایا ہاں ممکن ہے کہ مولا کریم تیری اس محنت کو تیری ماں کے کسی درد کے اس چھوٹے جھٹکے کے عوض میں قبول فرمालے جو تیری پیدائش کے وقت تیری ماں کو لگے۔ ایک صحابی ابی الطفیل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئی آپ سے باتیں کرتی رہی پھر جب وہ اٹھ کر چلی گئی تو ہمارے عرض کرنے پر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بی بی کون تھیں معلوم ہوا کہ آپ کی رضاعی والدہ تھیں۔ اسی طرح کی ایک اور مثال حضور علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے حضور علیہ السلام نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب مصر کو فتح کرو تو مصر کے رہنے والوں سے حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ اس لئے کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ اس سر زمین کی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی اور مصر والوں نے اپنے ساتھ فاتحین کا وہ سلوک دیکھا تھا جو لاجواب تھا۔ آخر ان سے نہ رہا گیا اور سوال کیا کہ اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے تو ان کو جواب دیا گیا جو کہ مذکور ہوا ہے تو ایک پادری بول اٹھا کہ پیغمبر کے سوا اور کوئی ہستی عورت کا ایسا احترام نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم نے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ اگر اس کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور وارث ہو ماں باپ تو ماں کو تیسرا حصہ اور اگر اس کے بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ بعد وصیت یا بعد ادائیگی قرض کے معین فرمایا

ہے۔

بحیثیت بیوی

عورت کی ایک اور اہم حیثیت بطور بیوی کے ہے اور اسی حیثیت میں عورت کی مظلومیت بھی آشکارا ہے اس لئے پہلا حکم خداوندی جو اس باب میں نازل ہوا یہ تھا کہ بیوی موجب تسکین ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے واسطے تمہاری بیویاں بنا دیں۔ تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور اسی نے تمہارے درمیان الفت اور محبت پیدا فرمائی۔ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ اور ان کو وہی کھانے کو دو جو خود کھاؤ۔ اور ان کو وہی پہناؤ جو خود پہنو۔ اور ان سے درشتی سے پیش نہ آؤ تمہارے ترکہ میں سے وہ چوتھائی حصہ کی حقدار ہیں۔ اگر ان سے تمہارے ہاں اولاد نہ ہو اور اگر ہو تو آٹھواں حصہ کی مالک ہوں گی۔

گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے عورت کو حق ملا ہے کہ وہ خود مختارانہ طور پر کسی جائیداد کی قابض و مالک ہو سکتی ہیں ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک وہ ایک ذلیل ترین چیز تھی۔

اے دختر ملت! اب تیرے سامنے اسلام کی وہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہو گئی جو اس نے عورت کے حقوق میں بیان کی ہے اسلام کے علاوہ جتنے دیگر مذاہب ہیں ان میں عورت کا کیا مقام تھا اور اب کیا مقام ہے۔ اس کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔ اب فیصلہ کرنا تیرے اختیار میں ہے اغیار اسلام کے طور طریق پر چل کر دشمنان اسلام کو خوش کرو یا اسلام تعلیمات پر عمل کر اپنے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کر لو۔ یاد رکھو دنیا کی زندگی صرف چند ان کی ہے ایسا نہ جب زندگی کی شام ڈھلنے کو اور کاروبار زندگی بند ہونے کو آئے پھر ہمیں اپنی اس گزشتہ زندگی پر افسوس کو جو ہم نے تعلیمات اسلام کے بغیر گزاری ہو۔ اے دختر ملت! ذرا سوچ کہ سیدتنا حضرت فاطمہ

الزہرارضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو اس بات کی بشارت دے دی گئی ہے کہ وہ نہ صرف دنیا میں عورتوں کی سردار بلکہ جنت کی عورتوں بھی سردار ہیں۔ اس کے باوجود ان کی زندگی عین احکام اسلامیہ کے مطابق گزری۔ ان کے شب و روز اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے میں گزرے جنت میں عورتوں کی سردار ہونے کی بشارت نے ان کے عمل میں کسی قسم کی کوئی سستی اور کاہلی نہیں ڈالی۔ نہ ہی کسی قسم کی روگردانی کا ارتکاب کیا۔ سچ کہتے ہیں۔

يخاف على نفسه من يتوب

فكيف تری حال من لا يتوب

یعنی وہ لوگ مسلسل اپنی جان کو رو رہے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور تیرا کیا بنے گا جو توبہ سے غافل ہے۔ مطلب جو لوگ عبادت و ریاضت کرتے ہیں جو دن رات اللہ عزوجل کے احکامات کے آگے سر خم تسلیم کئے ہوئے ہیں جو اس کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو نیک اعمال کرنے کے باوجود ہر وقت توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں ان کا یہ حال ہے اور جو لوگ جو اسلامی بہنیں اور جو اسلامی بھائی توبہ سے غافل ہیں۔ جنہوں نے احکامات محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پس پشت ڈالا ہوا ہے جو قبر اور قیامت کی ہولناکیوں سے یکسر غافل ہیں۔ جو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں جو دن رات گناہوں کی دلدل میں غرق ہیں ان کا کیا بنے گا۔

یاد رکھو جن لوگوں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نافرمانی کی اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں بڑی ہی سخت و عیدیں بیان کی گئی ہیں فرمان خداوندی ہے۔

ان بطس ربك لشديد

بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔

اے میرے بھائیو اور بہنوں اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی سخت پکڑ سے بچائیے اور مرنے سے پہلے پہلے سچی توبہ کر کے اس کے حضور جھک جائیے اور باقی ماندہ زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیجئے۔ اور شیطانی وسوسوں اور نفس کے بہانوں سے اپنی جان چھڑائیے اور قلیل زندگی کو آج ہی اپنے رب تعالیٰ کے حضور جھکا دیجئے اپنی زندگیوں میں اسلامی احکامات کا ایسا رنگ پھر دیجئے کہ جو بھی دیکھے وہ کہہ اٹھے کہ وہ دیکھو دیوانہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آ رہا ہے۔

اور اے میری اسلامی بہنوں آپ بھی اپنی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگ لیجئے دیکھئے اب آپ کے سامنے خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی ایک بہترین عملی نمونہ ہے ان کی زندگی کو اپنے سامنے رکھئے اور پھر کوتاہیاں اور خامیاں دور کیجئے۔ دیکھو عمر بہت قلیل ہے۔ اس چکر میں بالکل نہ پڑھیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے ہم کل سے نمازیں شروع کر لیں گے کل فلاں کام کر لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا تدری نفس ماذا تکسب غدا

یعنی کوئی جان یہ نہیں جانتی ہے کہ وہ کل کیا کرے گی۔

ہو سکتا ہے کہ کل کا دن اس کی زندگی کا آخری دن ہو اگر کل کا دن اس کی زندگی کا آخری دن نہ ہو تو بھی کوئی نہ کوئی آخری دن آیا ہی چاہتا ہے اور اگر آج کی رات آخری نہ ہوگی تو کوئی نہ کوئی آخری رات بھی آنے والی ہے۔

اے غفلت میں پڑے ہوئے لوگو اپنی زندگیوں کو سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈھال لو اور اپنے آپ ان لوگوں میں شمار کر لو جن کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے کہ۔

ان کو نہ کوئی غم ہو گا نہ کوئی تکلیف راحت ہی راحت ہو گی۔ جن سے اللہ تعالیٰ عزوجل راضی ہو گا اور اس کا رسول راضی ہو گا ان کو عالم نزع عالم برزخ عالم حشر قیامت جہنم غرض کسی چیز کا نہ خوف ہو گا اور نہ کوئی غم۔

اے رب (عزوجل) مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بطفیل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم تیری اور تیرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے طلبگار ہیں ہمیں اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا عطا فرما۔
امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اختتام

آخر میں اس دعا پر اپنی تالیف کا اختتام کرتا ہوں۔

ربنا لا توأخذنا ان نيسنا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا
اصراً كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا
طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا
على القوم الكافرين

(البقرہ رکوع 40)

ماخذ

اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے بلا واسطہ یا بالواسطہ مدد لی گئی

- ۱- القرآن الکریم
- ۲- کنز الایمان
- ۳- خزائن العرفان
- ۴- تفسیر الحسنات
- ۵- تفسیر نعیمی
- ۶- تفسیر ابن عربی
- ۷- تفسیر ابن کثیر
- ۸- تفسیر روح البیان
- ۹- تفسیر خازن
- ۱۰- تفسیر روح المعانی
- ۱۱- تفسیر کبیر
- ۱۲- صحیح بخاری
- ۱۳- صحیح مسلم
- ۱۴- مستند ابوداؤد
- ۱۵- جامع ترمذی

- 16- امام نسائی
- 17- مشکوٰۃ شریف
- 18- بیہقی شریف
- 19- مواہب لدنیہ
- 20- روضۃ الاحباب
- 21- کتاب الوفا
- 22- مستدرک حاکم
- 23- ابن ماجہ
- 24- الاستیعاب
- 25- مدارج النبوت
- 26- طبرانی
- 27- الخصائص الکبریٰ
- 28- سیرت انوار جمال مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 29- سیرت جمال مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 30- سیرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 31- سیرت رسول عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 32- رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 33- تاریخ ابن سعد
- 34- تاریخ ابن ہشام
- 35- الاصابہ
- 36- قصیدہ بردہ شریف
- 37- حدائق بخشش

- 38 سامان بخشش
- 39 سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- 40 شرح سلام رضا
- 41 شان صحابہ
- 42 کنز العمال
- 43 الشرف الموبد لال محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
- 44 سیرت فاطمہ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
- 45 فیضان سنت

ویڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال

تصنیف لطیف

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ
شہزادہ محدث اعظم ہند کچھو چھوی اشرفی علیہ الرحمۃ

شعبہ برادری

40-نی اردو بازار لاہور۔ پاکستان

marfat.com

Marfat.com

زینتُ المآفل

ترجمہ

زہتُ المآلس



تصنیف ۸
امام عبد الرحمن بن عبد السلام
الصفوری الشافعی رحمہ اللہ تفسالی (۲۹۰۰)

ترجمہ ۸
علامہ محمد منشا آتش القصوری الحنفی
مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور



ناشر: شبیر برادرزہ اردو بازار لاہور پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَفْسِ الْوٰعِظِیْنَ

ترجمہ و تلخیص

انفس الواعظین

بافادات و اضافات جدیدہ

مصنف

حضرت ابو بکر بن محمد بن علی بدایقرشی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

مولانا محمد ہاشم تائبش قسوری مدظلہ
مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور • خطیب جامع مسجد ظفرہ مرہیہ

و

شبیر پبلشرز
۴۰ اردو بازار لاہور

ذوالفقار اللہ زویں نے تصانیف

20

کتاب کے
تخریق

صحیح بخاری شریف

جہانگیری

تقریباً ۱۰۰۰۰ احادیث
عربی میں جمع کیے گئے
ابو العلاء محمد بن اسماعیل بخاری

8 جلدیں مکمل

ادارہ اللہ، شمالی علاقہ، وزارت اعلیٰ، لاہور

احادیث نبویہ کی سب سے مستند کتاب کا عام فہم، آسان، سلیس، با محاورہ ترجمہ

امام احمد رضا خان کی تالیفات علی البخاری

کا ترجمہ و ضاحی الفاظ کے ہمراہ

صحیح بخاری • آیات الفاظ قرآنی • صحابہ کرام کے آثار
میں موجود • ۳۰۰۰ احادیث نبویہ کے اقوال • امام بخاری کی فقہی و تحقیقی آراء

نملہ افراد • اشخاص • قبائل • بلاد و ممالک • دیگر کی

مفصل فہرستیں پہلی مرتبہ منصفہ شہود پر

ایسی خدمت جس کی عربی، فارسی، اردو میں کہیں ہی کوئی ہی شان نہیں ملے گی



وہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمادے

سبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴، اربو بازار لاہور فون: 042-37246006

marfat.com

Marfat.com